ناول

رضوان علی سومرو

کفارہ

سرد اندھیری رات تھی۔ آسمان کو سیاہ رنگ کے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ کسی بھی وقت بارش ہونے کا امکان تھا۔ میں اس پہاڑی مقام پر انگریزوں کے بنائے ہوئے اس قدیم قلعے کی شکستہ فصیل کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور جب بھی بجلی چمکتی تو تھوڑی دیر کے لئے پہاڑی پگڈنڈی نظر آ جاتی۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس قدیم قلعے کے پیچھے دو سو سال پرانا قبرستان تھا جس کی قبریں زمانے کی بے رحم وقت کا شکار ہو کر ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔

اس قبرستان میں وہ قبریں بھی تھیں جو کہ جنگ آزادی میں مارے گئے تھے۔ یہ قبرستان آسیب زدہ مشہور تھا۔ اس قبرستان کے بارے میں کئی روایات مشہور تھیں جن میں ایک بہت مشہور تھی۔ یہاں ایک ایسی قبر ہے جو کہ رات کے دو بجے کے بعد چمکنا شروع ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس چمکتی قبر کو ڈھونڈ لے تو اس قبر کا مردہ ظاہر ہو کر اس کی ایک خواہش ضرور پوری کرتا

ہے۔اس کے علاوہ ایک روایت اور بھی مشہور تھی۔

اس قبرستان میں رات کے وقت چھن ...... چھن ...... کی آواز آنا شروع ہوتی ہے۔یعنی رات کے وقت ایک عورت اس قبرستان میں گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔اگر وہ عورت کسی بھی انسان کو نظر آجائے تو وہ اس آدمی کا سارا خون پی لیتی ہے۔ان روایات میں کتنی صداقت اور سچائی تھی یہ میں نہیں جانتا مگر ایک بات ضرور ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس قبرستان میں رات گزارنے کی کوشش ضرور کی تھی، مگر دوسری صبح وہ مردہ حالت میں پائے گئے تھے اور جو زندہ بچ گئے تھے وہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو چکے تھے۔

میں بھی ایک انسان ہوں۔اپنی لالچ اور غرض کے تحت آج رات بس قبرستان میں داخل ہوا تھا، داستان میں آگے بڑھنے سے پہلے مجھے اپنا پس منظر آپ تک ضرور پہنچانا چاہئے کہ وہ کیا حالات تھے جس کی وجہ سے میں اس قدر خطرناک کام کے لئے راضی ہوا تھا۔

☆......☆......☆

یہ ان دنوں کی بات ہے جب وطن عزیز کو آزاد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔میرا تعلق پاکستان کے جس گاؤں سے تھا آج وہ بہت زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ہو چکا ہے۔گاؤں کا زیادہ تر طبقہ مزدور تھا جن کی زندگی کا مقصد وڈیروں اور جاگیرداروں کی چاکری کرنا اور صرف اور صرف پیٹ کے تندور کو بھرنا اور پھر وقت آنے پر قبر میں پیر پسار کر سو جانا۔میرے والد عمر دین گاؤں کی مسجد کے پیش امام تھے جن کی وجہ سے سارے لوگ ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ہم دو بھائی تھے۔

میرا بڑا بھائی عمیر مجھ سے دو سال بڑا تھا اور میری صحت اور کاٹھی ایسی تھی کہ میں اپنی عمر سے چھوٹا نظر آتا تھا۔اسی سبب محلے کے سارے آوارہ لڑکوں کا لیڈر بھی تھا۔

ویسے تو میرا بھائی میرے والد صاحب کے نقش قدم پر چلتا، پنجگانہ نمازیں پڑھتا۔ اپنی پڑھائی پر دھیان اور فالتو وقت میں دین کی باتیں اور مسائل سیکھنے میں لگاتا۔ ہم دونوں ہر چیز میں ایک دوسرے کے الٹ تھے۔ جس چیز کی چاہت مجھے ہوتی میں ہر صورت وہ چیز حاصل کرنے کی سوچتا جبکہ وہ صبر اور قناعت سے کام لیتا۔ وہ مزاج کا دھیما اور میں غصے کا تیز طرار تھا۔ وہ مسجد جانے والا اور میں مسجد سے بھاگنے والا تھا۔ والد صاحب مجھے سمجھا سمجھا کر تھک جاتے مگر میں باز نہ آتا۔

یوں تو محلے کے تمام لڑکے میرے دوست تھے لیکن ایک لڑکا میرا سب سے اچھا دوست تھا جس کا نام کرم دین تھا۔ کرم دین عمر میں مجھ سے بڑا اور تیز وطرار تھا۔

گاؤں کے سب لوگ مجھے ناپسند کرتے تھے لیکن چونکہ میں امام کا بیٹا تھا اس لئے ہر کوئی سمجھاتا رہتا کہ آوارہ لڑکوں کی سنگت چھوڑ دو۔ کرم دین کی باتیں عیاری سے بھرپور ہوتی تھیں اور جب وہ بولتا تو میں حیران رہ جاتا۔ کرم دین بہت جی دار اور نڈر تھا۔ ایک روز ہم نہر کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''یار کرمو، ایک بات بتا۔'' میں نے بیڑی کا کش لے کر پوچھا۔

''پوچھ میرے راجا۔'' وہ بیڑی کے سرور میں بولا۔

''یار، یہ جو باتیں تو کرتا ہے کہاں سے سیکھی تو نے۔''

''محبت کی یونیورسٹی سے۔'' وہ کسی عالم وفاضل استاد کی طرح بولا۔

''محبت کی یونیورسٹی سے؟ تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

''ابھی تو نہیں سمجھے گا کیونکہ دودھ کے دانت جو نہیں ٹوٹے تیرے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''تو یہ گول مول باتیں میرے ساتھ مت کیا کر۔'' میں نے غصے سے کہا۔ میرے اس

طرح غصہ کرنے پر وہ ہنس پڑا۔

"کل تو تیار رہنا۔ تجھے کل ایسی جگہ لے چلوں گا جہاں تجھے ہر بات کی سمجھ آ جائے گی۔"

"کہاں لے جائے گا مجھے؟" میں نے بھی تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"سمندر میں جہاں بڑے بڑے ڈوب جاتے ہیں۔" وہ مدبرانہ لہجے میں بولا۔

بات بالکل ہی میرے پلے نہیں پڑی تھی۔ میں ہونقوں کی طرح سر ہلا کر رہ گیا۔

"تو پریشان نہ ہو۔ جب کل تو چلے گا تو تجھے پتہ چلے گا کہ محبت کی یونیورسٹی کیا ہوتی ہے۔" وہ بولا۔

"اچھا...... اچھا۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک میں اور کرمو ساتھ رہے اور پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ اس روز موسم بے حد سہانا تھا۔ شام کے چار بج چکے تھے۔ کرمو کے جانے کے بعد میں کھیتوں کے راستے سے ہوتا ہوا اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ ابھی میں تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ میں نے اسے دیکھا جسے دیکھ کر ہمیشہ میرے دل کی دھڑکن اتھل پتھل ہو جاتی تھی۔

بانو...... جس کی ہر ادا میں مستی تھی اور چال میں بانکپن تھا۔ اس کی مست جوانی مجھ سمیت بہت سوں کے دلوں پر تیر چلاتی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ ایک ہی گانا یاد آتا۔

"چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو

جو بھی ہو خدا کی قسم لاجواب ہو"

مجھے آتا دیکھ کر وہ رک گئی اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

"کہاں سے آ رہا ہے لفنڈر۔"

"تیرے لئے دودھ کی نہر کھودنے گیا تھا۔ اور ویسے بھی گلابی رنگ کا لاچہ اور کرتا بہت

خوب صورت لگتا ہے تجھ پر۔"

میری بات سن کر اس کی غزالی آنکھوں سے جیسے آگ برسنے لگی۔

"تو بہت بے شرم ہے۔ اگر تیرے ابا کو پتہ لگا ناں تو تیری قبر مسجد کے باہر ہی بنے گی...... اور مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کر...... بدتمیز۔"

"کیا کروں...... تجھ کو دیکھتا ہوں تو دل بدتمیز ہو ہی جاتا ہے۔" میں نے ڈھٹائی سے کہا۔

"بے حیا...... آوارہ...... میں بتاؤں گی ابا کو۔" اتنا کہہ کر وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور میں بھی بے شرموں کی طرح ہنستا ہوا آگے نکل گیا۔

گھر میں داخل ہوا تو ابا صحن میں عصر کے لئے وضو فرما رہے تھے۔

"آ گئے...... آوارہ گردی کر کے۔" ابا وضو کر کے تولیہ سے منہ پونچھتے ہوئے بولے۔

میں نے ابا کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم ظہر کے وقت سے غائب ہو۔ نہ نماز میں تھے اور نہ ہی درس میں...... تم کیوں بھول جاتے ہو کہ تم مسجد کے امام کے بیٹے ہو۔ جواب دو۔" ان کا لہجہ سخت تھا۔

مجھ سے کوئی جواب بن نہیں رہا تھا کہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور میرا بھائی عمیر گھر میں داخل ہوا۔ اس نے ہاتھ میں ایک تھیلا پکڑ رکھا تھا۔ اس میں سبزی تھی۔ ابا اور مجھے دیکھ کر وہ فوراً سے پیشتر سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے۔

"ابا جی! یہ ماسٹر صاحب کے گھر پر تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ چلا جائے دو دن بعد ریاضی کا پرچہ ہے۔" عمیر نے بات بناتے ہوئے جھوٹ بولا۔

ابا نے چند لمحے تک اس کی طرف اور میری طرف دیکھا پھر عمیر کی طرف دیکھ کر بولے۔

"تمہاری مرضی بیٹے مگر یہ سدھرنے والا نہیں۔"

عمیر نے کوئی جواب نہیں دیا اور سر جھکا دیا۔

''جماعت میں صرف دس منٹ ہیں تم دونوں وضو کر کے آنا مسجد میں پانی نہیں ہے۔'' ابا یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔

نماز عصر کب ختم ہوئی پتہ ہی نہ چلا۔لوگوں کا تو پتہ نہیں لیکن میں بس ٹکریں مارتا رہا اور نماز پوری ہوگئی۔اس رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کے بعد میرے ذہن میں صرف دنیا اور دنیا کے خیالات تھے۔میں یہی سوچ رہا تھا کہ نماز ختم ہو اور میں بھاگوں، چنانچہ عمیر سے نظر بچا کر میں باہر آگیا۔مسجد سے باہر نکلتے ہی میری ساری کیفیتوں کو سکون مل گیا۔

مسجد سے تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ مجھے کرمو آتا دکھائی دیا۔میں نے کرمو کو آواز دی تو وہ رک گیا۔

''کہاں جارہا ہے......اتنی جلدی جلدی۔'' میں نے پوچھا۔

''ابے تجھے ڈھونڈ رہا تھا۔'' وہ بولا۔

''کیوں......؟'' میں نے سر ہلا کر پوچھا۔

''میں وہاں جارہا ہوں جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔'' کرمو بیڑی سلگاتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''ابے الو......میں امینہ بائی کے کوٹھے پر جارہا ہوں چلتا ہے تو چل۔میں نے تجھے کہا تھا نا کہ محبت کی یونیورسٹی دکھاؤں گا۔''

''نن......نہیں...... ابا بہت ماریں گے۔'' میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ابے مرد بن۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

”مگر.......!“

”ابے اگر مگر کچھ نہیں ......تو امینہ کی بیٹی نرگس کو ایک دفعہ ناچتے دیکھ لے گا نا تو۔“ وہ انتہائی بازاری لہجے میں بائیں آنکھ دباتے ہوئے بولا۔

☆......☆......☆

وہ ایک عجیب و غریب دنیا تھی۔ ایسا بازار جسے میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ سازندے تماش بین طبلے کی تھاپ، رقص و سرود کا ماحول ام الخبائث جس طرح پی اور پلائی جا رہی تھی وہ میرے لئے حیرت انگیز تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے وہ سب دیکھ رہا تھا۔ مجھ پر ایک مدہوشی کا عالم سوار تھا۔

بہت سے لوگ پہلے سے بیٹھے تھے۔ سب کے منہ پان سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین لڑکی جس کے پیروں میں گھنگھرو بندھے تھے وہ طبلے کی تھاپ پر اپنا بدن تھرکاتی تھی۔ ایسا ہوش ربا نظارا میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں اس کی معصوم صورت تکتا رہا۔ دفعتاً میری آنکھوں کے سامنے جھماکا ہوا۔ مجھے ایسا لگا کہ نرگس کی جگہ بانو موجود ہے۔ نرگس میں مجھے بانو نظر آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ کرمو نے جیب سے بہت سے نوٹ نکال کر میرے سامنے پھیلا دیئے۔ نرگس شرماتی لجاتی میرے سامنے بیٹھ گئی۔

”میں کیا کروں کرمو، مجھے ہر جگہ وہی دکھائی دیتی ہے۔“ میں نے بے بسی سے کہا۔

”ابے دیوداس کی اولاد......“ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ نرگس کسی بجلی کی طرح میری طرف آئی اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا ہاتھ پکڑنا ہی تھا کہ میرے پورے جسم میں ایک ہزار وولٹ کا کرنٹ دوڑ گیا۔ شرم سے میری گردن جھک گئی۔ اور میں سٹپٹا گیا۔

”پھر زحمت کیجیے گا......“ اس کا لہجہ بڑا ہی دلکش تھا۔

”کک...... کیوں۔“ میں نے گھبرا کر پوچھا۔

”وہ اس لئے کہ آپ مجھے اچھے لگے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”اوئے گدھے تو بڑا خوش نصیب ہے کیونکہ آج تک اس نے مجھے گھاس نہیں ڈالی۔“ کرمو چہک کر بولا۔

”کوشش کروں گا۔“ میں نے بدقت تمام کہا۔اتنا کہہ کر کرمو کے ساتھ باہر نکل گیا۔

گھر پہنچا تو رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا۔اس وقت گاؤں کے چند گھروں میں بجلی آئی تھی جو کہ بڑے گھر تھے۔جیسے ہی گھر میں دیوار کود کر داخل ہوا عمیر جو کہ دالان میں لالٹین کی روشنی میں پڑھائی کر رہا تھا چونک کر اٹھ بیٹھا۔

”کون......چور......“ اس کے لہجے سے بوکھلاہٹ صاف ظاہر تھی۔

”ہشش......عمیر......میں ہوں۔“ میں نے سرگوشی میں کہا۔میری آواز سن کر جیسے اس کی جان میں جان آئی۔

”میں کب تک تمہارے لئے ابا سے جھوٹ بولتا رہا ہوں گا۔“ عمیر کی آواز میں ناراضگی تھی۔

”میں نے تو نہیں کہا جھوٹ بولنے کے لئے۔“

”تم تھے کہاں......؟ ابا تمہارا پوچھ رہے تھے۔“

”کہاں ہیں ابا۔“ میں نے بدستور سرگوشی میں پوچھا۔

”ابا تو ابھی سوئے ہیں......اور دو دن بعد پرچہ ہے تمہاری تیاری ذرا بھی نہیں ہے۔“ عمیر کی آواز میں غصہ تھا۔

”تو تیرے پیٹ میں کیوں درد ہے، فیل میں نے ہونا ہے تو نے تو نہیں اور یہ میرے سامنے بڑے بھائی کا ناٹک مت کیا کر۔“ میں نے بھی منہ بناتے ہوئے کہا اور اسکا جواب

سنے بغیر میں تیزی سے کمرے کے اندر چلا گیا۔

☆......☆......☆

فجر کی نماز میں ابا نے جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا، رات دیر تک جاگتے رہنے کے سبب میری آنکھ نہیں کھل پا رہی تھی۔

''اٹھو...... کیا مردوں سے شرط باندھ کر سوئے ہو۔'' ابا کی آواز میں شدید غصہ تھا۔

''ابا...... بہت نیند آ رہی ہے......'' میں نے غنودگی میں جواب دیا۔

''اٹھو...... بیٹے جس نے فجر کے انعامات کھو دیئے اس نے سب کچھ کھو دیا۔ میرے آقا ﷺ فجر کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔'' ابا نے دوبارہ مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''اچھا......'' میں نے مردہ سے لہجے میں کہا اور اٹھ بیٹھا۔

''میں جا رہا ہوں تم بھی پہنچ جانا...... دیکھو عمیر مسجد پہنچ چکا ہے۔ باپ مسجد کا پیش امام ہے اور بیٹا......'' ابا بے بسی سے سر ہلاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔

ابا کے جانے کے بعد میں نے چارپائی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نیند کا غلبہ بہت زیادہ تھا، لیکن ابا کا خوف تھا۔ مجھے پتہ تھا، نماز چھوٹ گئی تو مار پڑے گی رات عشاء بھی نہیں پڑھی تھی اور مغرب بھی...... چنانچہ میں چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے مجھے آواز دی ہو۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو آواز دینے والا کوئی نہ تھا آواز پھر سنائی دی۔ ''ابے...... کہاں جا رہا ہے۔''

''نماز پڑھنے......'' میں نے خود کلامی کی۔

''سو جا...... اتنی اچھی نیند بعد میں نہیں ملے گی۔'' آواز پھر میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''مگر نماز نیند سے بہتر ہے۔'' میں نے خود کلامی کی۔

''تو ٹھیک کہہ رہا ہے......نماز کے لئے کپڑے پاک ہونا شرط ہے تیرے کپڑے ناپاک ہیں۔'' وہ آواز سن کر میں سوچ میں پڑ گیا واقعی میرے کپڑے تو ٹھیک نہیں تھے۔

''لیکن ابا......'' میں نے پھر کمرے کے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

''تو جائے گا کپڑے بدلے گا نماز تو ہو جائے گی......تو سو جا بعد میں قضا پڑھ لینا۔کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

میرے اندر کی آواز یعنی میرا نفس مسلسل مجھے نماز سے روک رہا تھا بالآخر وہ کامیاب ہو گیا۔ایسی کوئی اچھنبے کی بات بھی نہ تھی کہ نفس کامیاب نہ ہوتا۔ میں اس وقت نماز پڑھ لیتا تو نماز چھوڑنے کے گناہ سے بچ جاتا۔نفس نے تو بڑے بڑوں کو گناہ گار اور مردود کروادیا ہے۔ شیطان سے لے کر فرعون تک ،فرعون سے لے کر ابو جہل تک ہر ظالم اس نفس کا شکار رہا۔

میں اس وقت نماز چھوڑ کر دوبارہ خواب خرگوش میں کھو گیا۔اور پھر ابا کی وہ مار میں بھولا نہیں۔جو نماز چھوڑنے پر پڑی تھی۔

☆......☆......☆

پھر اس پٹائی کے بعد شاید پہلی بار میرے دل میں ابا کے لئے کچھ نفرت کا احساس پیدا ہوا، مجھے ایسا لگا کہ ابا عمیر سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور مجھ سے نہیں۔اب میں ابا کو تپانے کے لئے جان کر بھی نماز چھوڑ دیتا، آوارہ گردی کرتا......کرمو کے ساتھ ایک دوبار اس مہ جبیں کے درشن کئے تھے۔ابا میرے لئے پریشان رہنے لگے تھے۔وہ نماز کی تاکید کرتے اور کالج کی پڑھائی کو کہتے تو میں ڈھٹائی سے منع کر دیتا۔

وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں گاؤں سے نکالا گیا۔جب میری وجہ سے ابا پر دل کا دورہ پڑا تھا۔

وہ شام کا وقت تھا موسم بڑا ہی سہانا تھا۔نماز ساڑھے چار بجے کھڑی ہو جایا کرتی تھی، اس وقت پانچ بجے کا وقت تھا۔میں کھیتوں والے راستے سے ہوتا ہوا پرانے کنویں کی طرف جا رہا تھا جہاں اکثر کرمو سے میری ملاقات رہا کرتی تھی۔

جب میں اس جگہ پہنچا جہاں پرندوں کو ڈرانے کے لئے پتلا کھڑا کیا جاتا تھا، اچانک میرے کانوں نے نقرئی ہنسی کی آواز سنی تو میں چونک اٹھا۔یہ ہنسی میں لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔وہ بانو کی آواز تھی۔ہنسی کی آواز اس پتلے کے عقب سے آ رہی تھی۔

میں تیزی سے اس آواز کے تعاقب میں پہنچا تو نظارہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔غم اور غصے کی شدت کے سبب میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔

بانو ایک لڑکے کی گود میں سر رکھے ڈھٹائی سے ہنس رہی تھی۔وہ لڑکا کوئی اور نہیں بلکہ میرا بھائی عمیر تھا، جو ابا کے سامنے بہت شریف اور پارسا بنتا تھا، اس نے آج میری محبت پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

''عمیر......'' میں چلایا۔

وہ دونوں چونک کر سیدھے ہو گئے۔ایک ہی پل میں دونوں کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔میں سکتے کی سی کیفیت میں ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

''ابا......کو مت......بتانا۔'' عمیر ہکلایا۔

اور میں عمیر کو انتہائی خطرناک قسم کی گالی دیتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔

''وہ تمہاری بھی ماں ہے جسے تم گالی دے رہے ہو۔'' عمیر بھی غصے میں آ کر بولا۔

''کمینے......کتے......بھائی کی محبت پر ڈاکہ ڈال کر مجھے سبق پڑھا رہا ہے۔''

''میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔'' عمیر کے بجائے بانو دانت پیستے ہوئے بولی۔اس کی

آنکھیں لال بھبھوکا تھیں۔ اتنا سننا تھا کہ مجھے ایسا لگا کہ میری ساری دنیا اندھیری ہو گئی ہو۔ جو لوگ محبت میں چوٹ کھاتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ دکھ کتنا بڑا ہے۔

میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لمحے بعد وہ پھر بولی۔

''کسی آوارہ اور لفنڈر سے شادی کرنے کے بجائے خودکشی کرنا زیادہ بہتر ہے، میں ویسے بھی عمیر سے پیار کرتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر اس نے عمیر کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت تھی۔ میرے دل کی دنیا میں لرزہ کی کیفیت طاری تھی۔ دفعتاً میں نے آنسو پونچھے اور سخت لہجے میں بولا۔

''نفرت ہی سہی...... مگر تمہارے عاشق کو جان سے مار دوں گا۔ پھر تو تم مجھ سے پیار کرو گی ناں......'' میرے لہجے میں سفاکی تھی۔

اتنا کہہ کر میں نے عمیر پر حملہ کر دیا۔ عمیر شاید اس کے لئے تیار نہ تھا چند ہی منٹوں میں وہ بے بس ہو کر گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کا چہرہ جگہ جگہ سے زخمی ہو چکا تھا اور کپڑے پھٹ چکے تھے۔ میں بھی تھک چکا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو بانو وہاں نہ تھی۔ شاید وہ موقع جان کر کھسک چکی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ بانو میرے لئے کتنی بڑی مصیبت کھڑی کر چکی تھی۔ میری سانس تھوڑی بحال ہوئی تو میں نے دیکھا کہ عمیر اب بھی بے ہوش ہے۔ غصے اور نفرت میں، میں یہ بھول چکا تھا کہ وہ میرا بھائی ہے۔ میں کھیتوں میں ادھر ادھر کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے لگا جس سے میں اس کا کام تمام کر سکوں...... مگر مجھے ایسی کوئی چیز نہ ملی۔

دفعتاً مجھے کراہنے کی آواز سنائی دی تو میں نے دیکھا کہ عمیر ہوش میں آ رہا تھا۔ میری شیطانی جبلت دوبارہ جاگ گئی، میں نے سفاک نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس پر

سوار ہو گیا۔ اس کے سینے پر بیٹھ کر اس کا گلا گھوٹنے لگا۔ اس وقت میرا خون سفید ہو چکا تھا۔

عمیر مچلنے لگا، ہاتھ پیر مارنے لگا۔ وہ بری طرح سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا کہ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے سر پر کسی نے وار کیا ہے۔ ہزاروں سورج میری آنکھوں کے سامنے طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں۔ وار انتہائی شدید تھا۔ میں بھنا کر پلٹا لیکن نو وارد کا دوسرا وار مجھے زمین پر لے آیا...... پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو میرا پورا جسم رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ میرے سر میں شدید قسم کا درد ہو رہا تھا۔ میں جس جگہ پڑا تھا وہ چبوترہ تھا جو کہ ایک بہت بڑے پیپل کے پیڑ کے نیچے تھا۔ سخت ریت اور بجری کی مدد سے پیپل کے ارد گرد ایک چبوترا سا قائم کر دیا گیا تھا۔ جسے چوبارے کا نام دیا گیا تھا۔ دن کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی، اس کا مطلب کہ میں پوری رات رہا تھا۔ اس چوبارے میں گاؤں کی پنچائیت لگا کرتی تھی۔ ☆

اس پیڑ کے آس پاس بہت سے لوگ جمع تھے اور کرسیوں پر پنچائیت کے بزرگ لوگ جمع تھے۔ کرسیاں اس پیڑ کے سایہ میں لگی تھیں۔ الغرض گاؤں کی اس مختصر سی عدالت میں میرا فیصلہ ہونا تھا۔ کافی دیر تک بندھے رہنے سے میرے جسم میں درد سا ہونے لگا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں موجود ہر شخص مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ مجھے ابا کہیں نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

اچانک کرسی پر بیٹھا ایک شخص اٹھا اور ایک نفرت بھری نظر میری طرف ڈالی اور پھر حاضرین محفل سے مخاطب ہوا۔

''یہ جو یہاں بندھا ہوا پڑا ہے...... ہمارے محترم اور معزز امام صاحب کا بیٹا ہے...... اس نے نہایت ذلیل اور شرم ناک حرکت کی۔ چودھری صاحب کی اکلوتی بیٹی پر مجرمانہ حملہ کیا۔

اس کو بے عزت کرنا چاہا۔ بچانے والے عمیر کو جان سے مارنے کی کوشش کی۔ اگر عمیر وہاں نہ آجاتا تو یہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ اس کی وجہ سے بے چارے امام صاحب اس ذلیل کی حرکتوں کو سن کر اللہ کو پیارے ہو گئے اور عمیر زخمی حالت میں چودھری صاحب کے گھر پر ہے۔" اتنا کہہ کر وہ شخص خاموش ہو گیا۔ تمام حاضرین کی نگاہوں سے غم و غصہ دکھائی دینے لگا تھا۔

ان الزامات کو سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ میں بانو کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ ہاں میں نے عمیر پر ضرور حملہ کیا تھا۔ یہ خبر میرے لئے کسی تازیانے سے کم نہ تھی۔

ابا اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ میری آنکھوں سے از خود آنسو بہنے لگے تھے۔ کچھ بھی تھا وہ میرے والد تھے جو ہر وقت میرے لئے فکر مند رہتے تھے۔ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ میری زبان جیسے رک گئی۔ غم کا ایک بڑا بوجھ میرے پر تھا۔ میرے چہرے پر تکلیف غم و کرب کے آثار تھے۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے۔" پنچایت کا ایک پنچ کرسی سے اٹھ کر میرے پاس آ کر بولا۔

"نن......نن......مم......کچھ نہیں......میرے ابا۔" میں کراہا۔

"انہیں دفنا دیا آج صبح فجر میں۔" پنچ بولا۔ یہ خبر میرے لئے کسی بم سے کم نہ تھی۔ ظالموں نے مجھے میرے باپ کا چہرہ بھی نہیں دیکھنے دیا تھا۔

میری اس حالت کی ذمہ دار بانو تھی۔ چودھری تھا، عمیر تھا، میں نے دل میں ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ "میں ان سے انتقام ضرور لوں گا۔"

پنچایت نے تمام شہادتوں کے پیش نظر مجھے انتہائی سخت سزا سنائی۔ اگر مجھ پر عمیر پر حملہ کرنے کا الزام ہوتا تو دکھ نہ ہوتا مگر بانو کی عزت پر حملہ کرنے کے الزام میں دکھ ہوا تھا۔ وہ

الزام جو کہ جھوٹ اور بدنیتی پر مبنی تھا۔

مجھے گاؤں سے نکال دیا گیا۔ خالی ہاتھ ہاتھ دو جوڑے کپڑوں میں ، میں گاؤں سے جاتے وقت ایک بار اپنے والد کی قبر سے لپٹ کر رونا چاہتا تھا، مگر مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میرے دل میں انتقام کا چراغ ضرور روشن ہو چکا تھا، جو کہ اب صرف اور صرف عمیر اور بانو کے خون سے بجھ سکتا تھا۔

میں ریلوے پلیٹ فارم پر بیٹھا ریل گاڑی کے آنے کا انتظار کر رہا تھا، نہ میری جیب میں پیسے تھے مجھے بھوک بھی ستا رہی تھی۔ دفعتاً مجھے کرمو آتا دکھائی دیا۔ جو سیدھا میری طرف آ رہا تھا۔ کرمو آتے ہی مخصوص انداز میں مسکرایا اور بولا۔ ''کیسا ہے تُو۔''

''ٹھیک ہوں......تُو سنا......'' میں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''تیرے ساتھ بہت برا ہوا دوست، مجھے یقین ہے بانو نے تجھے پھنسایا ہے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں واپس آؤں گا بدلہ لینے......ایک دن۔'' میری آنکھوں میں ایک عزم تھا۔ میں جانتا تھا جو میں ٹھان لیتا ہوں کر کے رہتا ہوں۔

''یہ کچھ پیسے ہیں بڑی طاقت ہے ان میں۔ تُو رکھ لے تیرے کام آئیں گے۔'' کرمو نے پیسے میری جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ میں نے پیسوں کا منع نہیں کیا اور ریل گاڑی میں چڑھ گیا۔

میں نے زندگی میں پہلی بار گھر سے باہر قدم نکالا تھا۔ ریل کے سفر میں سارے مسافر بھی اجنبی تھے۔ ایک ایک کر کے سارے کے سارے واقعات میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ ابا کا چہرہ، کبھی عمیر کا چہرہ، کبھی گاؤں کے سارے دوست میری نگاہوں کے سامنے ایک ایک کر کے آ گئے۔ بانو کا چہرہ جب بھی میرے سامنے آتا غصے سے میری مٹھیاں بھنچ جاتیں۔

میں ریل میں بیٹھا رہا سفر کرتا رہا۔ پھر ٹرین ایک بڑے شہر کے پلیٹ فارم پر جا رکی۔

اسٹیشن سے اترتے ہی اس شہر کی رونق دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔

تیزی سے بھاگتی گاڑیاں، بھاگتے ہوئے انسان دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اسٹیشن سے میلوں دور تک سائن بورڈ پڑھتا، بسوں اور ٹرالوں کا شور سنتا ہوا بڑی بڑی دکانوں میں رکھے ہوئے سامانوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

میں چل چل کر تھک گیا تھا لیکن راستہ ہی ختم نہ ہوتا تھا۔ میرے پیر دکھنے لگے تھے۔ نیا شہر دیکھنے کا تجسس دوسرے مسئلوں کی وجہ سے ماند پڑ گیا تھا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ کہیں دو گھڑی بیٹھ کر آرام کرنے کو بھی دل کرتا تھا۔ بھوک کا مسئلہ میں نے اس طرح حل کیا کہ ایک ریڑھی پر دال چاول کھائے اور پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ انسانوں کے اس جنگل میں کوئی ہمدرد نہیں، میں کیا کروں، کہاں جاؤں؟ رہنے کے لیے سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں مجھے اپنا گاؤں یاد آنے لگا تھا۔ گاؤں میں تو سرِ شام زندگی سو جاتی ہے لیکن شہر 10 یا 11 بجے تک جاگتا ہے، مجھے اس بات کی فکر ہونے لگی کہ باقی پیسے ختم ہوں گے تو کیا ہوگا۔ اس لئے مجھے شدید قسم کی پریشانی ہونے لگی تھی چنانچہ صرف اور صرف نوکری کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ پاکستان کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس نو مولود ریاست کے اپنے مسائل تھے، چنانچہ حصول روزگار میرے لئے اتنا آسان نہ تھا جتنا میں سمجھ رہا تھا۔

چنانچہ میں نے اس شہر کی بڑی بڑی دکانوں پر جا کر نوکری حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کئی بڑی دکانیں نظر آئیں مگر ان دکانوں میں اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ آخر ایک دکان کے سامنے آ کر میں رک گیا۔ کافی دیر تک میں اس دکان کے سامنے کھڑا رہا۔ جب سارے گاہک

چلے گئے تو میں ڈرتے ڈرتے دکان کے اندر داخل ہوا۔

''فرمایئے......؟'' کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ایک شخص نے میرا حلیہ دیکھ کر پوچھا۔

''جی......'' اس کے اندازِ تخاطب سے میں گھبرا گیا۔ میرے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر وہ شخص سمجھ گیا۔

''اوہ...... بھکاری ہو...... جاؤ بھائی کوئی اور دکان دیکھو۔ اتنے ہٹے کٹے ہو کر بھیک مانگتے ہو......شرم نہیں آتی۔'' وہ شخص سخت لہجے میں بولا۔

''میں بھکاری نہیں ہوں۔'' میں نے اونچی آواز میں کہا۔

''تو پھر کیا ہو......جاؤ بابا نکلو باہر ورنہ میں پولیس کو بلاتا ہوں۔'' اس کا لہجہ بدستور سخت تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں چند لمحے ٹھہر کر وہاں سے چلا گیا۔ پہلی جگہ ہی ناکامی ہوئی۔ پھر میں نے ہمت کر کے کئی دکانوں میں کوشش کیں مگر ہر جگہ ناکامی ہوئی۔ کوئی ضمانت مانگتا کوئی دھکے دے کر نکال دیتا۔ دو دن بعد میری حالت ابتر ہو چکی تھی۔

اتنے بڑے شہر میں نہ تو سر چھپانے کا ٹھکانہ تھا نہ ہی پیٹ بھرنے کے لئے روٹی۔ چنانچہ رات گزارنے کے لئے ریلوے ویٹنگ روم ہی مناسب تھا۔ میرے سارے پیسے ختم ہو چکے تھے۔ پچھلے چوبیس گھنٹے سے میں نے کچھ نہ کھایا تھا نہ ہی پیا تھا چنانچہ میرا سر بری طرح سے چکرانے لگا تھا۔

ریلوے ویٹنگ روم تک جانے کے لئے میں تھوڑا ہی چلا ہوں گا کہ بیچ سڑک پر میرا سر چکرانے لگا۔ شاید نقاہت کے سبب ایسا تھا۔ شام کے سائے رات میں تبدیل ہو رہے تھے، دفعتاً میری آنکھیں تیز روشنی سے خیرہ ہونے لگیں۔ کوئی کار قریب آ رہی تھی۔ کار کے ہارن مجھے بیچ سڑک سے ہٹنے کا اشارہ دیئے جا رہے تھے، لیکن میری ہمت نہ ہو پا رہی تھی۔ سر بری

طرح سے چکرا رہا تھا پھر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک نہایت ہی عالی شان قسم کے بیڈ پر پایا۔ ایک نرس کے کپڑے پہنے ایک عورت میرے سامنے تھی اور وہ انجکشن تیار کر رہی تھی۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو وہ یکدم بول پڑی۔ ''آپ لیٹے رہیے نہیں تو آپ کی نقاہت بڑھ جائے گی۔ میں آپ کو طاقت کا انجکشن لگا دوں۔'' اس کے ہونٹوں پر نہایت مہربان مسکراہٹ تھی۔

انجکشن دینے کے دوران وہ مسلسل مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنا کام مکمل کر کے چلی گئی۔ میں نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے کمرے کا جائزہ لیا۔

کمرہ واقعی بہت خوب صورت اور بڑا تھا۔ جتنا بڑا یہ کمرہ تھا اتنا ہی بڑا گاؤں میں ہمارا گھر تھا۔ چاروں طرف دیواروں پر خوب صورت عورتوں کی عریاں تصویریں لگی تھیں۔

میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے یہاں کون لایا تھا؟ لیکن جو بھی تھا میرا ہمدرد اور محسن تھا۔

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آنے والا ایک ویٹر تھا جس نے ایک ٹرالی سنبھال رکھی تھی جس میں کھانے پینے کی اشیاء موجود تھیں۔ ٹرالی اوپر سے نیچے تک انواع واقسام کے لوازمات سے بھری تھی، ویٹر ٹرالی چھوڑ کر چلا گیا۔ کھانے سے اچھی طرح سیر ہو جانے کے بعد مجھے نیند آنے لگی تھی۔ اتنا عمدہ اور پر تعیش کھانا میں نے پہلی بار کھایا تھا۔

جو بھی میرا میزبان تھا وہ واقعی بے حد رحم دل اور فراخ دل انسان تھا۔ میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ مجھے دوبارہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دیکھا کمرے میں داخل ہونے والا شخص ایک انگریز تھا۔ اس کی عمر ساٹھ اور پینسٹھ سال کے درمیان تھی۔ اس شخص کے سارے

بال سفید تھے جبکہ داڑھی کے بال کالے۔شاید اس نے داڑھی پر رنگ لگایا ہوا تھا۔

اس نے جسم پر نہایت خوب صورت سوٹ زیبِ تن کر رکھا تھا۔اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور نہایت چمکدار تھیں۔چھوٹے قد کے سبب وہ نہایت عجیب لگ رہا تھا۔

''تم نے کھانا ٹھیک سے کھایا۔''اس نے خالی پلیٹوں کی طرف دیکھ کر نہایت صاف ستھری اردو میں کہا۔

''ج......جی......بہت مہربانی۔''میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔

''میرا نام جون فرینک ہے۔تم میری گاڑی سے ٹکرائے تھے اور تمہاری حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بھوکے بھی ہو اور بے آسرا بھی۔''

''جی......بالکل میں نے دو دن سے کچھ کھایا نہیں تھا۔''پھر میں نے اسے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔

میری کہانی کے دوران وہ بالکل ہی خاموش رہا۔جب میں خاموش ہوا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''تو کچھ سیکھا تم نے اپنی داستان سے۔''اس کا انداز بڑا ہی مدبرانہ تھا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''خوب......میں جون فرینک 1940ء میں ہندوستان میں داخل ہوا۔جانتے ہو کیوں......''وہ چھوٹے چھوٹے دیدے گھماتے ہوئے بولا۔

''نہیں......''میں نے بے وقوفوں کی طرح کہا۔

''ہندوستان شروع سے ہی مجھے پراسرار لگتا تھا۔ہندوستان کی سرزمین جادو ٹونہ اور توہمات سے بھری تھی۔چنانچہ اس سرزمین پر میں نے جادو، کالی قوتیں حاصل کیں۔میری یہ کالی قوتیں حاصل کرنے کا جنون بڑھتا چلا گیا پھر ہندوستان تقسیم ہو گیا اور میں پاکستان

آ گیا۔ پاکستان میں انگریزوں کا بنایا ہوا ایک قدیم قبرستان ہے۔ سنا ہے کہ یہ قبرستان آسیب زدہ ہے۔ وہاں قوتوں کا خزانہ دفن ہے اور وہ خزانہ جس کے پاس آجائے اس کی کالی قوتیں اس پر مہربان ہو جاتی ہیں۔ میں تمہیں اتنے پیسے دوں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔‘‘

’’مگر تم وہاں کیوں نہیں جاتے۔ بقول تمہارے پاس بہت سی قوتیں ہیں۔‘‘ میری بات سن کر جون فرینک مسکرایا اور بولا۔

’’ہر طاقت کی کچھ نہ کچھ حدود ہوتی ہیں...... اسی طرح وہ علاقہ، قبرستان میں صرف ایسے لوگ جا سکتے ہیں جو شیطانی قوتوں کی حدود میں نہ آسکتے ہوں۔‘‘

اس کی نرالی منطق میری سمجھ میں نہ آئی لیکن پیسے کی بات آخر میری سمجھ میں ضرور آ گئی۔ جون فرینک کی ہدایات کے مطابق میں اس قبرستان میں موجود تھا۔

☆......☆......☆

ہلکی ہلکی بوندا باری شروع ہو چکی تھی۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ رات کے تقریباً ڈیڑھ بج چکے تھے۔ چاروں طرف سناٹا، اندھیرا اور موت کی خاموشی تھی، شہر خموشاں کا یہ قبرستان اپنے اندر نہ جانے کتنے راز لئے ہوئے تھا میں ایک ٹوٹے پھوٹے چبوترے پر بیٹھا کسی ایسی انہونی کا انتظار کر رہا تھا۔

دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ کوئی گہرے گہرے سانس لے رہا ہو۔ سانسوں کی آواز مجھے اپنے برابر سے آرہی تھی۔ جیسے کوئی جانکنی کی کیفیت سے دوچار ہو۔ اچانک مجھے دور کہیں سے گیدڑ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ خوف سے میرے مساموں سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔

دفعتاً میرے کانوں میں چھن...... چھن...... کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی عورت پائل پہن کر ٹہل رہی ہو۔ میرے حلق سے دل خراش چیخ نکلی۔ میں نے بھاگنے کی کوشش لیکن میرے

پیر من من بھر کے ہوگئے۔ میرے قدموں نے میرے جسم کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ جون فرینک کی تمام ہدایات میرے ذہن سے نکل گئیں کہ اچانک مجھے فضا میں ایک قہقہہ سنائی دیا۔ قہقہہ نہایت خوف ناک اور مردانہ تھا۔

''جون فرینک نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔ اس نے تم کو میرے حوالے کر دیا ہے تا کہ میں تمہاری مدد سے اپنا کام کرسکوں۔ جون فرینک نے تمہارے بدلے مجھ سے شیطانی قوتیں حاصل کی ہیں۔'' ایک پراسرار آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''کک......کون ہو......تم......؟''

''تمہارا جسم اب میرا گھر ہوگا۔ ہا......ہا......ہا......''

ایک خوفناک قسم کا قہقہہ میرے کانوں سے ٹکرایا۔ واقعی لالچ کا انجام بہت برا ہوتا ہے نہ جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

اچانک میری آنکھوں کے سامنے چمکدار قسم کے ذرات منقسم ہونے لگے۔ پھر مجھے ایک زوردار دھکا لگا اور اسکے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

میرے ساتھ کس قدر لرزہ خیز واقعات پیش آنے والے ہیں اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں اس منحوس قبرستان میں داخل ہی نہ ہوتا مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ شدید جھٹکوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں کسی ٹرین میں موجود ہوں اور ایک برتھ پر لیٹا ہوں اور ریل کے جھٹکوں سے میری آنکھ کھلی ہے۔ مجھ پر ایک بڑی عمر کے ایک صاحب جھکے ہوئے ہیں مجھے اٹھتے دیکھ کر بڑے صاحب جو کہ ساٹھ سال کے قریب ہوں گے، فوراً پانی کا گلاس میری جانب بڑھا دیا۔ واقعی مجھے پانی کی بے حد طلب محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پانی فوراً

غٹاغٹ پی لیا۔

''اب کیسے ہو بیٹے۔''

''میں یہاں کیسے آیا......'' مجھے شدید نقاہت اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ بڑے صاحب کچھ دیر تک بے یقینی کی کیفیت میں مجھے دیکھتے رہے اور پھر بولے۔

''بیٹے! کراچی سے تم ہمارے ساتھ ہی ٹرین میں چڑھے تھے۔'' بڑے صاحب کی بات سن کر میرا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ میرے چہرے پر گمبھیر پریشانی دیکھ کر بڑے صاحب پھر بولے۔

''شاید تم کو کوئی بیماری ہے۔ تم کو بھول جانے کی بیماری ہے تم ہم سے باتیں کرتے کرتے چکرا کر گر پڑے تھے۔''

''چکرا کر گر پڑا تھا......'' میں نے حیرت سے خود کلامی کی۔

میں تو اس قبرستان میں تھا پھر میں ٹرین میں کیسے آیا یہ ایک راز تھا شاید اسی پراسرار قوت نے مجھے ٹرین میں پہنچایا تھا۔

''کیا ہوا...... خیر تو ہے بیٹا۔'' بڑے صاحب اپنی داڑھی میں خلال کرتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں بولے۔

''نہیں...... کچھ نہیں......''

ابھی میں مزید کچھ اور ہی کہنا چاہتا تھا کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ لڑکی بے حد خوبصورت تھی جو کہ آرام سے چلتی ہوئی بڑے صاحب کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''ابو! باتھ روم کا بلب نہیں جل رہا۔''

اس کی آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔ اس کی آواز واقعی بے حد خوب صورت تھی۔

وہ خود بھی بے حد نرم اور نازک تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ، انیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کی خوب صورتی بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں پھر بھی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔

وہ واقعی بے حد حسین نرم و نازک اور لطیف تھی۔ بالکل اوس کے پہلے قطرے کی طرح۔

''بابا! باتھ روم کی لائٹ نہیں جل رہی بلب فیوز ہوگیا ہے۔'' لڑکی نے اپنے والد سے مخاطب ہوکر نقرئی آواز میں کہا۔

''بس بیٹی سفر پورا ہونے کو ہے۔'' بڑے صاحب نے لڑکی سے مخاطب ہوکر کہا۔

دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی ہو۔ وہ عجیب غیر انسانی سی آواز تھی جیسے کوئی بھیڑیا میرے کان میں غرایا ہو۔

''تمہارا جسم میری روح کا مسکن ہے اور میری روح کی خوراک اس خوب صورت کی معصومیت اور خوف ہے۔''

''نن...... نہیں۔'' میرے حلق سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔

''تم انکار نہیں کر سکتے۔ یہ میرا حکم ہے۔''

اسی لمحے مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے کانوں میں بے شمار سیٹیاں گونجنے لگی ہوں۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلے پیلے ستارے رقصاں تھے۔ دفعتاً مجھے ایسے لگا کہ میرے جسم میں بجلی بھر گئی ہو۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میری آنکھیں سرخ ہوچکی تھیں۔

میں نے وحشت بھری نظروں سے لڑکی کی جانب دیکھا جو کہ اپنے والد سے بات چیت میں مشغول تھی۔ میں نے تنویمی انداز میں آگے بڑھ کر اس کی نرم و نازک کلائی پکڑلی۔ میرے اس عمل سے وہ چونک گئی اور اس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔

''یہ...... کیا کر رہے ہو......'' بڑے صاحب چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بڈھے...... تیری یہ بیٹی آج میرا شکار بنے گی......" میری آواز بدلی ہوئی تھی۔

میں جو کچھ کر رہا تھا اس میں میرے ارادے کا دخل نہ تھا۔ وہ شیطانی قوت مجھ سے میرے جسم کے ذریعے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل مجھ سے چاہتی تھی۔

"کمینے...... ذلیل...... اس کا باپ ابھی زندہ ہے۔"

"تو مر جاؤ......" یہ کہہ کر میں نے لپک کر اس بڈھے کا گلا پکڑ لیا اور بڈھے کو فضا میں بلند کر دیا۔ وہ بڈھا مرغ بسمل کی طرح تڑپتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا پھر ڈھیر ہو گیا۔

"بابا......" لڑکی چیخ کر بڈھے کی جانب بڑھی لیکن میں نے اسے لپک کر پکڑ لیا۔ اس کے چہرے پر خون کی تمازت نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ میں نے اسے دبوچ لیا۔ خود کو میرے آہنی شکنجے سے بچانے کے لئے وہ ہاتھ پیر مارتی رہی پھر میں نے اسے ایک جھٹکے سے نیچے گرا دیا۔ پھر میں انسان سے جانور بن گیا اور اس کی معصومیت کو روندتا رہا۔ اس کی کربناک چیخیں ابھرتی ڈوبتی رہیں۔ اور جب میرے ہوس کا سیلاب ٹھنڈا ہوا تو وہ بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار تھی۔ اسی لمحے میں نے دانتوں سے اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔ وہ ایک لمحے کے لئے تڑپی پھر میں نے اسے تڑپنے کا موقع نہ دیا۔

اس کا گرما گرم خون میری پیاس بجھاتا رہا اور میں انسان سے درندہ بن گیا۔ میں کسی خون آشام بھیڑیئے کی طرح خون پیتا رہا۔ اس کے بعد مجھ پر جیسے بے ہوشی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ بے ہوش ہونے سے قبل مجھے صرف اتنا یاد تھا کہ مجھے کسی نے ٹرین سے دھکا دیا تھا۔ ٹرین جس جگہ سے گزر رہی تھی اس اطراف بے شمار خودرو جھاڑیاں، پودے اور بڑا سا میدان تھا۔ گرتے ہی میں اس خودرو جھاڑیوں میں جا پڑا تھا۔

آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک جھونپڑی میں گھاس سے بنے ہوئے بستر پر پایا۔

جھونپڑی میں نیم اندھیرا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں درد سے کراہ کر رہ گیا۔ لگتا تھا ریل سے کودتے وقت گرتے ہی کہیں چوٹ آ گئی تھی۔ میں نے اپنے جسم کی طرف دیکھا تو میرا پورا جسم عجیب سی سبز مائل مٹی سے اٹا پڑا تھا جس سے اٹھنے والی عجیب سی مہک میرے دماغ پر اثرانداز ہو رہی تھی۔ نہ جانے میرے جسم پر کیا لگا ہوا تھا جس سے میرا پورا جسم سن ہو کر رہ گیا تھا۔

دفعتاً میرے کانوں میں قدموں کی آہٹ سنائی دی، نہ جانے کون آنے والا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ہزاروں قسم کے اندیشے اور وسوسے میرے دماغ میں گونجنے لگے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ آنے والا مجھے نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔

”گھبراؤ مت تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔“ آواز سنتے ہی جیسے میرے کانوں میں کسی نے شہد ٹپکا دیا ہو۔ آواز اس قدر حسین اور خوب صورت تھی کہ میں اپنی نظریں اس وجود پر گاڑ دیں۔ اس نے دھانی رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ اس کی مخروطی گردن، کتابی چہرہ، روشن آنکھیں۔ اف اس کا حسن میں بھول نہیں پایا ہوں۔ وہ میری طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ڈرو مت پورے جنگل میں تم اس جھونپڑی میں محفوظ ہو۔ تم مجھے زخمی حالت میں جھاڑیوں میں پڑے ملے تھے۔“

”میرے جسم پر کیا لگایا ہے۔“ میں نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

”تم بہت زیادہ زخمی تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ تم کو کسی نے بہت مارا ہے۔ پورا شریر زخموں سے چور تھا، اس لئے زخم سکھانے کے لئے جڑی بوٹیوں کا عرق لگانا پڑا۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

اس کی بات سن کر میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ میں جس طرح گرا تھا اس طرح مجھے اتنی خطرناک چوٹیں نہیں آنی چاہئیں تھیں۔ میرے چہرے پر حیرت دیکھ کر وہ سمجھی کہ شاید مجھے

یقین نہیں آیا۔

''میرے بھولے بادشاہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔تم بہت زخمی تھے۔ویسے بھی کانتا جھوٹ نہیں بولتی۔''

میں جس طرح کے واقعات سے گزر رہا تھا ایسے میں کچھ ہونا میرے ساتھ ممکن تھا۔

''یہ لیپ دو دن تک تمہارے بدن سے لگا رہے گا۔دو دن بعد یہ خود بخود جھڑ کر گر جائے گا اس کے بعد تم جنگل میں موجود ندی میں نہا لینا۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

کانتا کون تھی یہ میں نہیں جانتا تھا۔بس وہ تو مجھ جیسے لالچی کے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی تھی۔نہ جانے میں کب تک جاگتا رہا اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔کافی دیر گزری ہوگی۔جسم میں شدید قسم کی کچلاہٹ محسوس ہونے لگی۔میری آنکھ کھل گئی۔مجھے ایسا لگا کہ میرے جسم میں کچھ کلبلا رہا ہے۔میں نے غور سے دیکھا تو خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔میرا پورا جسم چاول کے دانے کے برابر چھوٹے چھوٹے سفید کیڑوں سے بھرا پڑا تھا۔سفید کیڑے بڑی ہی تیزی سے میرے پورے جسم کو چاٹ رہے تھے۔کانتا میرے بالکل سامنے کھڑی مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

یہ سب دیکھ کر میرے حلق سے دل خراش چیخ نکل گئی۔

''یہ کیا......'' میرے چیختے ہی منظر بدل گیا۔وہاں نہ کیڑے تھے نہ ہی کانتا،بس میں اور میری چیخیں تھیں۔میرے چیخنے کی آوازیں سن کر کانتا بھاگتی ہوئی جھونپڑی میں داخل ہوگئی۔اس کے ہاتھ میں ایک لالٹین تھی۔

لالٹین کی روشنی میں،میں نے کانتا کو دیکھا تو خون کی حدت میرے جسم میں تیز ہوگئی۔میرا

خون جیسے لاوا بن کر میرے جسم میں دوڑنے لگا۔کانتا نے جسم پر ایک ہلکی سی چادر ڈال رکھی تھی جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے کپڑوں میں نہیں تھی۔ مجھے اس طرح گھورتے دیکھ کر وہ یکدم شرما گئی پھر دوسرے لمحے وہ انجان سی بن گئی۔

''کیا ہوا، کیوں چیخ رہے تھے؟''

''کک۔کچھ نہیں۔''میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''کہیں کوئی برا خواب دیکھ لیا۔''اس کی نظریں مجھے اپنے جسم کے پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''نن......نہیں......ایسی کوئی بات نہیں۔''

''اچھا......''اس نے مجھے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر باہر نکل گئی۔

وہ ساری رات میری آنکھوں میں کٹ گئی۔ مجھے ہر طرف سفید سفید کیڑے کلبلاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ہر تھوڑی دیر بعد میں چونک جاتا کہ کہیں وہ کیڑے واپس نہ آ جائیں۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ کانتا بہت خطرناک عورت ہے۔ اس کی جھونپڑی مکڑی کے جال کے جیسی تھی۔وہ اس جھونپڑی میں اکیلی کیوں رہتی تھی؟ ایسے بہت سے سوالات تھے جو کہ حل طلب تھے۔

دوسری صبح جب وہ جھونپڑی میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں میرے لئے ناشتہ تھا۔ اس بار اس کو دیکھ کر میرے حواس بھی قابو میں نہ رہے۔ جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی نہایت ہی قاتل نگاہوں سے میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں میرے لئے دعوت تھی جیسے کہہ رہی ہو۔''حسن کے بہتے دریا میں ڈبکی لگا لو۔''

ناشتہ میں شہد، سیب اور دوسرے جنگلی پھل تھے چونکہ میں اٹھنے کے قابل نہ تھا اس لئے ناشتہ اس نے مجھے اپنے ہاتھوں سے کروایا۔ناشتہ کرواتے وقت وہ نہایت عجیب نظروں سے

مجھے دیکھ رہی تھی جیسے کوئی بھوکی شیرنی اپنے شکار کو دیکھتی ہے۔

ناشتہ کرانے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سرخ اور چہرہ لال تھا۔ جاتے جاتے اس نے مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"میرے بھولے بادشاہ، تم بہت سندر ہو۔"

میں اس کی بات سن کر حیرت سے اسے تکنے لگا۔ پھر نہ جانے میرے من میں کیا آیا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم بھی کچھ کم نہیں ہو۔"

میری بات سن کر اس کا چہرہ جیسے گلنار ہو گیا اور پھر وہ جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

صبح سے شام تک وہ میری خوب خدمت کرتی اور رات میں نہ جانے کہاں چلی جاتی۔

میرے جسم پر چڑھا ہوا لیپ چونکہ پتھر کی طرح سخت ہو چکا تھا اس لئے میں ہلنے جلنے سے قاصر تھا۔ ایک بات نہایت حیرت انگیز تھی۔ یہ عجیب و غریب قسم کا لیپ جب تک میرے جسم سے لگا رہا تھا حوائج ضروریہ کی حاجت پیش نہ آئی۔ لیپ کے ساتھ مجھے دو روز ہو چکے تھے۔

ایک روز صبح کے وقت وہ ناشتے کے ساتھ مٹی کا پیالہ بھی لائی جس میں سبز رنگ کا کوئی سیال تھا۔ اس نے وہ سارا سیال میرے جسم پر انڈیل دیا۔ سیال کے جسم پر گرتے ہی وہ لیپ ایسے جھڑنے لگا جیسے خزاں کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔ چند ہی منٹوں میں میرا سارا جسم اس لیپ سے صاف ہو گیا۔ لیپ صاف ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا اوپری دھڑ برہنہ ہے جبکہ نچلے حصے پر صرف ایک جانگیہ موجود ہے۔

میرے جسم کو دیکھتے ہی اس کی غزالی آنکھوں میں خمار سا چھا گیا۔ سرخ سرخ سے ڈورے اس کی آنکھوں میں تیرنے لگے۔ وہ نہایت بھوکی نظروں سے مجھے گھورنے لگی تھی اور پھر بغیر کچھ کہے ہونٹ چباتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کانتا کا اس طرح گھورنا میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں پورا دن جھونپڑی میں پڑا رہتا تھا۔ کانتا اس بیچ میں دو چار دفعہ آتی۔ ناشتہ دے کر نہ جانے کہاں چلی جاتی۔ یہ چیز میری سمجھ سے باہر تھی کہ رہتی کہاں ہے، کرتی کیا ہے؟ اس جنگل میں کیوں ہے؟ مجھے کیوں جھونپڑی سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔؟

ان سوالات کے جوابات تشنہ تھے۔ کافی دن جھونپڑی میں پڑے گزر چکے تھے۔ جب بھی میں باہر نکلنے کی کوشش کرتا وہ مجھے منع کر دیتی۔

میں اس جھونپڑی سے باہر نکلنا چاہتا تھا اور پھر ایک روز میں نے ہمت کر کے جھونپڑی سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات قریب سات یا آٹھ کا وقت ہوگا۔ کانتا کے آنے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ جھونپڑی سے باہر نکلنے کے بعد پہلے تو مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں جنگل نے اپنے خدوخال نمایاں کرنا شروع کر دیئے تھے۔ درخت، جھاڑیاں، کیلوں کے خاکے دھندلے اور سرمئی نظر آ رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا تا کہ میرے قدموں کی آہٹ کانتا تک نہ پہنچ جائے۔

میں ایک جگہ رک کر جائزہ لینے لگا۔ جائزہ کیا لینا تھا درخت اتنے گھنے تھے کہ تاریکی میں اور زیادہ گھنے محسوس ہو رہے تھے۔

میں چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگل سے نکل کر کسی قریبی بستی یا شہر جا پہنچوں تا کہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کروں، انتقام لوں۔ مجھے اس جنگل میں ایک ماہ سے زیادہ گزر چکا تھا۔ مجھ پر وہ پراسرار کیفیت دوبارہ طاری نہ ہوئی تھی جس کے زیر اثر میں نے ایک بے بس اور مجبور بوڑھے کا خون اور نوجوان لڑکی کی معصومیت کا قتل کیا تھا۔ شاید اس شیطانی قوت نے میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ یہ میری خام خیالی تھی۔ میرا وہم تھا۔ میں اس پراسرار طاقت کے نئے حربے کا

شکار ہونے جا رہا تھا جس کا مجھے علم نہ تھا اور نہ اندازہ۔ انتقام کے جنون نے لالچ اور حرص نے مجھے کہاں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ جس قوت کو میں تسخیر کرنا چاہتا تھا آج وہی قوت مجھے تسخیر کر چکی تھی۔ اپنے بھائی سے بدلے کے حصول نے آج میری یہ درگت بنادی تھی۔

رات کی تاریکی میں کافی دیر تک چلنے کے بعد مجھے ایسا لگا کہ میں راستہ کھو بیٹھا ہوں۔ میرے جیسا بے وقوف آدمی شاید اس دنیا میں کوئی ہوگا۔ میں نکل تو آیا ٹارچ کے بغیر اب مجھے راستہ دکھائی دینا بند ہو چکا تھا۔

آگے جانا خطرے سے خالی نہ تھا اور واپسی کا راستہ میں بھول چکا تھا۔ اگر میں یوں اندھوں کی طرح آگے بڑھتا تو ممکن تھا کہ میری ملاقات موت سے ہوتی۔ انتقام لئے بغیر اگر میں مر جاتا تو میری روح ہر وقت بے سکون رہتی اور جب تک میں بانو کو حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

میں وہیں ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے اپنے پیروں کے قریب سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ میں چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً سے پیشتر میرے ذہن میں سانپ کا خیال آیا۔ میں ڈر کے مارے پیچھے ہٹنے لگا اور پیچھے ہٹتے ہوئے میری کمر ایک جھاڑ سے جا لگی۔

''چھن......چھن......چھن۔'' اچانک میرے کانوں نے پائلوں کی جھنکار سنی۔ آواز اتنی تیز اور واضح تھی کہ خوف سے میرے بدن کے سارے مساموں نے پسینہ اگل دیا۔

''چھن......چھن......چھن......''

''کہاں ہو......ناتھ......میں ہر جنم تمہاری پرتکیشا کرتی ہوں۔ جدائی کی آگ میں مجھے مت جلاؤ۔'' ایک درد و کرب میں ڈوبی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"چڑیل......" فوراً میری زبان پر آیا تو میں الٹے قدموں واپس بھاگا۔ میری مثال ایسی تھی کہ جدھر سینگ سمائے ادھر ہی بھاگو۔

بھاگتے بھاگتے میرے پیر کسی پتھر سے ٹکرائے اور میں اچھل کر گرا اور گرتے ہی مجھے ایسا لگا کہ بہت سے سورج اچانک طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں۔ پھر اندھیرا چھا گیا۔

☆......☆......☆

آنکھ کھلتے ہی مجھے نہ جانے کیوں عجیب سا احساس ہوا۔ شاید یہ احساس کسی قسم کے خوف کا تھا۔ مجھے اپنا سر بھی بے حد بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ میرے سر پر منوں بوجھ ہو، کچھ ہی لمحوں کے بعد میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ایک پتھریلی سی کوٹھری میں پڑا ہوں جیسے کوئی جیل ہو۔

اس کوٹھری کا حال بھی اسی ٹارچر سیل جیسا تھا جہاں عموماً خطرناک قسم کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔ دیواروں پر بڑی بڑی زنجیریں نصب تھیں جن میں ہڈیوں کے بوسیدہ پنجر بندھے ہوئے تھے۔ شاید یہ وہ مجبور قیدی تھے جو یہاں کسی جرم کی وجہ سے لائے گئے ہوں گے اور پھر بھوکے پیاسے مر گئے ہوں گے، میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ میں یہاں کیوں قید ہوں؟ مجھے یہاں کون لایا۔ نہ جانے میں کس گورکھ دھندے میں پھنس گیا تھا؟ میں نے خود پر نگاہ ڈالی تو میں حیران رہ گیا کہ میرے جسم پر کرتا شلوار کی جگہ سیاہ رنگ کا ایک چوغہ موجود ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس نیم اندھیری کال کوٹھری میں کیا کر رہا ہوں، کس نے مجھے بند کیا ہوا ہے؟

انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا کہ دیکھیں کون آتا ہے۔ قدموں کی آہٹ قریب آتی گئی۔ نووارد جیسے ہی میرے

سامنے آیا تو اس کو دیکھ کر میں چونک گیا......نو وارد کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

نو وارد کوئی اور نہیں بلکہ کانتا تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کانتا کو یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

کانتا کا روپ اس بار بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ اس نے گیروے رنگ کا باریک سا چوغہ ڈال رکھا تھا اور چہرے پر بھبوت مل رکھا تھا۔

''کیوں بدھو مہاراج۔ بھاگ چلے تھے۔'' اس کے لہجے سے طنز ظاہر ہو رہا تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے اس سے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔

''ہمارے چنگل سے بچ نکلنا آسان نہیں ہے۔ سمجھے تم۔'' وہ زہر خند سے بولی۔ میں اس کی بات سن کر چونک پڑا۔ ہمارے سے کیا مراد تھی، کیا وہ اکیلی نہ تھی؟

چند لمحوں تک وہ میری طرف قہر آلود نظروں سے گھورتی رہی پھر الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کانتا کس قدر خطرناک عورت ہے۔

چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ چیخوں کی آوازیں نسوانی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے مردانہ آوازیں بھی سنائی دیں۔ کوئی شخص گالیاں بک رہا تھا۔ دو یا تین منٹ گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا، دو تین ہٹے کٹے حبشی غلام ایک لڑکی کو بالوں سے گھسیٹتے ہوئے لا رہے ہیں۔ لڑکی نہایت معمولی سے کپڑوں میں تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اسے کسی قریبی گاؤں سے اٹھا لائے ہیں۔ لڑکی کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ اسکی سوتی شلوار قمیض جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی۔ انہوں نے بڑی بے دردی سے کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر دھکا دے دیا۔

لڑکی کوٹھری کے فرش پر گرتے ہی بری طرح سسکنے لگی۔ اس کی حالت بے حد نازک تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوٹھری کے بائیں طرف ایک سیلن زدہ مٹکا اور ایک گندا سا گلاس

موجود تھا، میں کراہتے ہوئے اٹھا اور مٹکے سے پانی بھرا اور لڑکی کے سامنے کر دیا۔ لڑکی نے سسکتے ہوئے سر اٹھایا اور چند لمحے تک میری طرف دیکھنے کے بعد سارا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

لڑکی کوئی خاص خوب صورت نہ تھی مگر اس میں ایک کشش تھی۔ خاص کر اس کی آنکھیں جسے دیکھ کر مجھے بانو یاد آ گئی۔ وہی بانو جس سے میں نے محبت کی تھی، وہی جس نے مجھ سے نہیں میرے بھائی سے محبت کی تھی وہی بانو جس نے مجھے لفنڈر آوارہ نہ جانے کیا کیا کہا تھا۔ اسی سے بدلہ لینے کے لئے آج میں اس حال میں تھا۔

"کون ہو تم یہ سب کیا ہے؟" میں نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"مم...... میں نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں یہ وہ گروہ ہے جو مکمل چاند رات میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی قربانی دیتا ہے۔ چاند کی وہ ایک مخصوص رات ہر تین ماہ بعد آتی ہے۔ رات آنے میں صرف دو دن باقی ہیں اور دو دن بعد...... ہم دونوں...... مجھے یہ لوگ اغوا کر کے لائے ہیں۔ میں یہاں سے دو کوس دور ایک گاؤں ہے وہاں رہتی ہوں۔" اتنا سننا تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا۔ گویا ہم دونوں یہاں قربانی کے لئے لائے گئے تھے۔

"کیا ہم بھاگ نہیں سکتے؟"

"پتہ نہیں...... مجھے اپنے بوڑھے والد کی فکر ہے، رات کے اندھیرے میں انہوں نے مجھے گھر سے اغوا کیا ہے۔ میری موت کے بعد میرے والد کا کیا ہوگا۔" اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

☆......☆......☆

نہ جانے کتنی دیر یوں ہی گزری ہوگی...... پھر میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی جس کا نام رملا تھا روتے روتے سو گئی تھی اور میں جاگ رہا تھا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر یہ بات

تو سچ ثابت ہوگئی تھی کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ میری موت میں زیادہ وقت نہ تھا، نہ جانے کیوں مجھے لگتا تھا کہ میں نہیں مروں گا۔ پھر بھی بانو اور اپنے بھائی سے انتقام لئے بغیر میں مر نہیں سکتا تھا۔

کچھ ہی وقت گزرا ہوگا کہ مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ آنے والا کوئی اور نہیں کانتا تھی۔ کانتا نے جسم پر جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور چہرہ فل میک اپ سے مزین تھا۔ کانتا کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کٹورا تھا۔ وہ مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ تاثرات تھے جیسے وہ اپنی کامیابی کے بالکل نزدیک ہو۔

"کیسے ہو مہاراج۔" اس کی طنز میں ڈوبی آواز میرے کانوں میں زہر گھول رہی تھی۔

"مجھے جانے دو...... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"بگاڑا تو میرا ان لوگوں نے بھی نہیں تھا جن کو میں نے قتل کیا۔ بس آج آخری قربانی ہے اس کے بعد دیوی خزانے کا راز مجھ پر ظاہر کر دے گی جس کے لئے میں نے بہت سے معصوموں کو مارا۔"

یہ کہہ کر وہ کہیں کھو گئی جیسے آنے والے مستقبل کے بارے میں سوچ رہی ہو۔

"تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گی۔" میں نے دل میں کہا۔ مگر اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

☆......☆......☆

پراسرار اور شیطانی مندر قربانی کے لئے تیار تھا۔ لیکن قربانی سے پہلے بھوانی دیوی کے مکروہ بت کی پوجا ہونا باقی تھی۔ جگہ جگہ قدیم زمانے کے بڑے بڑے چراغ روشن تھے، اگربتی کا خوشبودار دھواں پورے ہال میں بھرا ہوا تھا۔ مجھے اور اس لڑکی کو لوہے کے پنجرے میں مورتی

کے بالکل قریب رکھا گیا تھا۔ بھوانی دیوی کی مکروہ مورتی کے قریب دو مشعلیں روشن تھیں۔

اچانک فضا میں گھنٹے کی آواز گونجی۔ ساتھ ہی ساتھ ناقوس پھونکے جانے لگے۔

کانتا نے اس وقت سرخ اور چست لباس پہن رکھا تھا۔ وہ لباس بالکل ایسا تھا جیسا اسٹاروار کی فلموں میں لڑکیوں نے پہن رکھا ہوتا ہے، کانتا کے سارے محافظوں نے سیاہ چوغے پہن رکھے تھے۔ ان کے چہرے نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔

کانتا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس مکروہ مورتی کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پر عقیدت اور محبت کا دریا موجزن تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''عظیم دیوی...... تیری طاغوتی عظمتوں کو سلام۔ تیرے ماننے والے سارے شیطان کے پرستار ہیں۔ وہ شیطان جو اندھیرے کا شہنشاہ ہے، وہ شیطان جس نے تجھے کالی قوتیں بخشی ہیں۔ خزانے کا راز ظاہر کر دے دیوی۔'' اتنا کہہ کر وہ سجدے میں گر گئی۔ اس مشرکہ کو سجدے میں گرتے دیکھ کر میری روح اندر سے کانپ گئی۔ ایک رب پاک کے سوا کسی اور کو سجدہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ بہر حال کافی دیر تک وہ سجدے میں پڑی رہی۔

پھر اس نے سر اٹھایا۔ چند لمحے تک وہ میری طرف دیکھتی رہی اور پھر زور زور سے ناقوس پھونکنے لگی۔ ناقوس کی تیز آوازوں نے وہاں پر کالے چوغے والوں پر عجیب سی وحشت پیدا کر دی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ پاگل ہو گئے ہوں۔ چند لمحات تک وہ طوفانِ بدتمیزی جاری رہا۔ اس کے بعد میری نظر ایک بہت بڑے کلہاڑے پر پڑی۔ غالباً وہ کلہاڑا ہمارے سر کاٹنے کے لئے لایا گیا تھا۔ موت مجھے اپنے سامنے رقص کرتی نظر آ رہی تھی۔ میرے ساتھ والے پنجرے میں بند لڑکی کی حالت بہت نازک تھی۔ وہ ایک ہی رات میں صدیوں کی بیمار نظر آ رہی تھی۔ کانتا کلہاڑا اٹھائے ہماری جانب بڑھنے لگی۔ اس کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی

تھے۔دفعتاً مجھے اپنے کانوں میں تیز سیٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔مجھے اپنی آنکھوں کے اردگرد نیلے پیلے نقطے رقصاں نظر آئے۔دفعتاً ایک تیز غراہٹ کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔"مجھے اس لڑکی کا خون چاہئے جو اس پنجرے میں ہے۔"

مجھ پر پھر وہی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔میرے حلق سے تیز چیخ کی آواز نکلی جیسے کوئی بھیڑیا غرایا ہو۔میں نے زور کی لات پنجرے پر ماری۔پنجرا ٹوٹ گیا۔اسی لمحے کانتا کی منحوس آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی۔میں وحشت سے سینہ پیٹتا پنجرے سے باہر نکل آیا۔

میں نے کانتا کو گردن سے پکڑ کر اچھال دیا۔کانتا اڑتی ہوئی اس مکروہ بت سے جا ٹکرائی پھر وہیں چپک گئی۔بھوانی کے اس مکروہ بت کے ہاتھوں میں پکڑی برچھیاں اس کے سینے میں اتر گئی تھیں۔

کانتا کا انجام دیکھ کر اس کے ساتھی چیخیں مارتے وہاں سے بھاگ نکلے۔وہ لڑکی سہمی ہوئی دوسرے پنجرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔میں جنون کی کیفیت میں پنجرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

میری لات نے پنجرے کا دروازہ توڑ دیا تھا۔لڑکی کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح پنجرے سے لگ گئی تھی۔مجھے وہ لمحہ اچھی طرح سے یاد ہے۔اس نے مجھے اللہ، رسول کے واسطے دیئے تھے۔شاید میں بہرا ہو چکا تھا۔اس پراسرار قوت کے زیر اثر میں نے اس معصوم کی آبرو لوٹی، پھر اس کا خون بھی پیا۔جب میں اپنی سفاکی سے فارغ ہوا تو وہ لڑکی مر چکی تھی۔یکدم مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔میرا جسم ہلکا پھلکا ہونے لگا۔شاید قبرستان والی وہ قوت مجھے چھوڑ کر جا چکی تھی۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تو مندر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔کانتا کی لاش

عبرت کا نمونہ بنی اس بے جان بت کے سامنے تھی، کانتا کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں خوف اور حیرت کے تاثرات منجمد ہوچکے تھے، لڑکی کی نیم برہنہ لاش میری سفا کی کا ثبوت دے رہی تھی۔ مندر کے سارے محافظ بھاگ چکے تھے۔ میں اس مندر میں لاشوں سمیت خون سے لت پت کھڑا تھا۔

خوف سے میرا برا حال تھا۔ میں دل ہی دل میں اس وقت کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جب میرا سامنا جون فرینک سے ہوا تھا جو مجھے بیچ کر نہ جانے کہاں مزے کر رہا ہوگا۔ دفعتاً مجھے اپنے اس مردود بھائی اور اس بانو پر غصہ آنے لگا جو کہ میری خوشیوں کے قاتل تھے۔ میں مر نہیں سکتا تھا انتقام لئے بغیر۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ کوئی میرے بالکل پیچھے کھڑا ہے۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو میری آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اب بھوانی کی پتھر کی بے جان مورتی میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی پتھریلی آنکھوں میں آگ کے شعلے سے دہکتے نظر آرہے تھے۔ دفعتاً اس کا پتھریلا بازو مشینی انداز میں ہلا۔ اس نے میری گردن پکڑ لی اور مجھے چوہے کی طرح اوپر اٹھالیا اس کے لب ہلے۔

”کانتا...... میری پجارن تھی ......اور تو نے...... میں تجھ سے اس کا بدلہ لوں گی۔“ اس کی آواز غراہٹ سے مشابہہ تھی۔ اتنا کہہ کر اس نے مجھے ہوا میں اچھال دیا۔ میرا جسم فضا میں اڑنے لگا۔ مجھے اپنے کانوں میں ہوا کی شائیں شائیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہوا کے زور کے سبب آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔

میری آنکھ کھلی تو پانی کے تیز شور کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں فوراً اٹھ بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ میں کسی جہاز کے عرشے پر پڑا ہوں۔ رات کا گہرا اندھیرا چاروں طرف

چھایا ہوا ہے۔ فضا میں پانی کے شور کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں چاروں طرف دیکھا مگر وہاں گھپ اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔

"کوئی ہے؟" میں نے جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر چلا کر پوچھا۔

مگر جواب ندارد۔ بہت دیر تک چیختے چلاتے رہنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں اس جہاز پر اکیلا ہوں اور یہ جہاز سمندر کے وسط میں کھڑا ہے۔ خوف اور دہشت سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ یہ سوچ کر مجھے ہول آنے لگے تھے کہ میں اس ویران جہاز میں اکیلا ہوں اور وہ سمندر کے وسط میں کھڑا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے میرا برا حال تھا۔

اچانک مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ آواز کچھ ایسی تھی کہ مائیک سسٹم میں خرابی کے بعد جیسی آواز پیدا ہوتی ہے۔ میری کیفیت اس خوف ناک اور دہشت ناک فلم کے ہیرو سے مختلف نہ تھی جو کہ خوف ناک واقعات کا شکار ہو جاتا ہے۔ فرق صرف اصل اور نقل کا تھا۔

میں نے سوچا کہ اس طرح مرنے سے بہتر ہے کہ ہاتھ پیر مار کر مرا جائے اسی لئے میں اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا عرشے سے نیچے کیبنوں کی طرف جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔ راستہ ڈھونڈنے میں مجھے کئی دفعہ ٹھوکروں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اندھیرا اس قدر گھپ تھا کہ میں آگے بڑھ نہ پایا۔ مجبوراً مجھے صبح کا انتظار کرنا پڑا۔ بھوک پیاس کی شدت بہت بڑھ چکی تھی آخر کار مجھے نیند آ گئی۔

میں نہ جانے کب تک سوتا رہا، کسی قسم کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ وہ آواز نہ جانے کیسی تھی کہ ڈر و خوف سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔

میں نے بے چین نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا تو عرشے پر ہر طرف سیاہ رنگ نظر آیا۔ جہاز کا ایک ایک حصہ سیاہ رنگ کا نظر آ رہا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی فضا میں ہر طرف نحوست سی محسوس ہو رہی تھی۔

عرشے کے جس آخری سرے پر میں موجود تھا وہاں سے ایک زینہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ شاید وہ راستہ قید خانے کا تھا۔ جیسے ہی میں سیڑھیوں سے اتر کر نیچے جانے لگا مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے مجھے سرگوشی کی ہو۔ ''وہاں مت جاؤ۔'' لیکن میں زنگ آلود سیڑھیاں عبور کرتا نیچے اتر گیا۔

اس چھوٹے سے تہہ خانے میں عجیب سی سیلن زدہ بدبو سی پھیلی ہوئی تھی۔ تہہ خانہ میں نیم اندھیرا تھا۔ سامنے ایک چبوترے پر ایک تابوت موجود تھا جس کا رنگ بھی سیاہ تھا۔ اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی طاقت مجھے کہہ رہی ہو۔ ''تابوت کا ڈھکن اٹھا دو۔'' میں آہستہ آہستہ تابوت کی جانب بڑھنے لگا۔ بھوک پیاس کا ہر احساس مفقود ہو چکا تھا۔ جیسے ہی میں نے تابوت کا ڈھکن اٹھایا، ایک تیز چیخ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ چیخ کی آواز درد و کرب سے بھری تھی اور پھر دہشت کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔

تابوت کے کھلتے ہی غول در غول چمگادڑوں کا ہجوم چیختا ہوا باہر نکل گیا۔ چند لمحوں میں پورے کا پورا تہہ خانہ چمگادڑوں سے بھر گیا۔ چمگادڑوں کے چیخنے کی آوازیں عجیب سا ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ چمگادڑیں مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے چھت سے الٹا لٹک گئی تھیں۔

پھر کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میری آنکھیں دہشت و خوف سے پھیل گئیں، تابوت سے میں نے انسانی پنجہ باہر آتے دیکھا۔ جو کہ بالکل استخوانی تھا۔ میں نے بری طرح سے

چیخنا شروع کر دیا۔

''یا اللہ میں کس شیطانی چکر میں پھنس گیا ہوں۔''

پنجہ تابوت سے باہر آتا گیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی رسی بل کھاتی آگے بڑھ رہی ہو۔ پنجے کا سائز بڑا ہوتا ہی جا رہا تھا۔

میں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے لئے پیچھے ہٹنے کے لئے جگہ نہ تھی بس وہ پنجہ پورے تہہ خانے کے اندر گھوم رہا تھا۔ پنجہ کس کا تھا وہ تابوت سے باہر ہی نہیں آیا تھا۔ میں دیوار سے لگا خوف و دہشت سے بھرے آفت کا منتظر تھا۔

اچانک میرے حلق سے تیز چیخ نکلی اور میں جھٹکے سے منہ کے بل گر گیا کیونکہ اب اس پنجے کی گرفت میری پنڈلی پر بے حد مضبوط ہو چکی تھی۔ اس پنجے نے مجھے تابوت کی جانب کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ لمحات میرے لئے قیامت خیز تھے۔ میں نے اپنے آپ کو اس تابوت کے اندر اترتے دیکھا۔ پھر میں نے تابوت کا ڈھکن بند ہوتے دیکھا۔ میں نے واضح محسوس کیا کہ میں کئی ہڈیوں کے پنجر پر پڑا ہوں اور دو استخوانی ہاتھوں نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔

☆......☆......☆

جس وقت مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے اوپر سرخ رنگ کی چھت ہے جس پر جالے لٹک رہے ہیں۔ میں ایک پتھر کے چبوترے پر بالکل سیدھا لیٹا ہوا ہوں۔ میرے کانوں میں دبی دبی سی ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے بہت سی عورتیں بین کر رہی ہوں۔ اتنا تو میں اندازہ کر چکا تھا کہ میں تابوت میں نہیں تھا۔ پھر میں کہاں تھا یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا لیکن میں جسم کو نہیں ہلا سکا جیسے میرا جسم پتھر کا ہو چکا تھا۔ نہ ٹانگیں ہلتی تھیں نہ ہاتھ پاؤں۔ میری آنکھیں اور دماغ زندہ تھا۔

یہ ایک اونچی چھت والا کمرہ تھا۔ سامنے کی سرخ دیوار میں سیاہ شگاف بنا ہوا تھا۔ دائیں بائیں کی دیواروں پر انسانی ہڈیوں کے تین پنجر لٹکتے نظر آرہے تھے۔ میرا دل دہشت سے ڈوبنے لگا تھا۔ اب میں شاید پہلے سے بھی زیادہ بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ قوت جو مجھ پر مسلط تھی وہ اپنی ضرورت کے تحت مجھ پر حاوی ہوئی تھی۔ میرے کام نہیں آرہی تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں مر چکا ہوں۔ مجھے سب کچھ یاد تھا کہ میں کون ہوں، دفعتاً میرے کانوں نے کچھ عجیب سی آوازیں سنیں جیسے بہت سی عورتیں رو رہی ہوں۔ جیسے لوگ کسی میت پر بیٹھے رو رہے ہوں۔ پھر یہ آوازیں آہستہ آہستہ دور ہونے لگیں۔

میری آنکھیں سامنے کے دیوار کے شگاف پر جمی ہوئی تھیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے شگاف سے دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔ دھواں واضح ہونے لگا۔ اس دھویں سے جو پہلی شکل ابھری اس بوڑھے کی تھی جس کی بیٹی کا میں نے ٹرین میں خون پیا تھا۔ اس بوڑھے کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ان آنکھوں میں نفرت اور غصہ موجود تھا، دوسری صورت کانتا کی تھی، جس کی آنکھوں میں طنز اور حقارت موجود تھی۔

دفعتاً اس دھوئیں نے جسم کی صورت اختیار کرنا شروع کر دی، اس بار کانتا مکمل صورت میں تھی۔ کانتا کا حال اس وقت نہایت عجیب وخوف ناک تھا۔ وہ اپنے کپڑوں سے بے نیاز تھی۔ اس کے حسین وخوب صورت جسم سے سنہرے رنگ کا ایک سانپ لپٹا ہوا تھا۔ اس کی دائیں چھاتی سے خون نکل رہا تھا جسے سانپ پی رہا تھا۔ کانتا کے چہرے پر اذیت وکرب کے آثار تھے۔

”یہ میرا بیٹا ہے...... یہ وہ بیٹا ہے جو ماں کے دودھ کی جگہ خون پیتا ہے۔“ وہ بڑے پیار سے سانپ کو چمکارتے ہوئے بولی۔

”یہ تم سے میرا بدلہ لے گا۔تم بھوانی کے عذاب کا شکار ہو۔میں تم کو مارنا چاہوں تو مار سکتی ہوں مگر جو مزا اذیتوں سے مارنے میں ہے وہ کسی میں نہیں۔“ اتنا کہہ کر اس نے بڑے پیار سے سانپ کو فرش پر پھینک دیا۔میں چیخنا چاہتا تھا مگر چیخ نہیں پا تا تھا۔سانپ رینگتا ہوا میری طرف بڑھنے لگا۔میرا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا۔کچھ ہی لمحوں میں سانپ میرے جسم پر چڑھنے لگا۔اس سے قبل کہ وہ میری گردن سے منہ لگا پاتا کہ اچانک وہ فضا میں کئی فٹ اوپر اچھلا، جب وہ نیچے آیا تو وہ ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

جہاں کانتا کھڑی تھی وہاں سے تھوڑے فاصلے پر نیلے رنگ کا دھواں نظر آنے لگا تھا۔اس دھوئیں کے حجم نے پھیلتے پھیلتے ایک انسانی جسم کی صورت اختیار کرلی۔اب وہاں ایک ساٹھ، پینسٹھ سالہ بوڑھا شخص کھڑا تھا جو کہ پستہ قد تھا۔اس نے پادریوں والا لباس پہن رکھا تھا۔اس کے سر کے سارے بال سفید ہو چکے تھے۔سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ عام پادریوں کی طرح اس کے چہرے پر متانت کے بجائے خباثت ٹپک رہی تھی۔

”کیسے ہو فادر جیکب؟“ کانتا مسکراتے ہوئے بولی۔

”مرا ہوا انسان کیسا ہو سکتا ہے۔ویسے تمہارا یہ جسم بہت خوب صورت ہے۔اگر میں زندہ ہوتا تو ایک رات تمہارے ساتھ ضرور گزارتا۔“ فادر نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضرور فادر......مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔“

”اسی لئے تو میں نے اس کے جسم کو جون فرینک کی مدد سے اپنا گھر بنایا تھا کہ عورت کی مدھ بھری جوانی ہمیشہ میری کمزوری رہی ہے۔یہ پرانے قبرستان میں اپنی غرض کے تحت داخل ہوا۔اس کے اندر لالچ، مطلب، غرض ہر چیز موجود تھی اس لئے میں اس کے جسم میں داخل ہو سکا۔“

''مگر فادر، اس نے مجھے قتل کیا۔ میرے مقصد کو ناکام کیا۔'' کانتا نے جھلاتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی میری وجہ سے۔ جب اس پر کوئی آفت آئے گی تو میں ضرور آؤں گا۔'' فادر مسکراتے ہوئے بولا۔

''مگر...... میں اس سے انتقام ضرور لوں گی اور فادر تم سے بھی۔''

''ضرور...... میں تیار ہوں، مگر اتنا یاد رکھو کہ میں اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کرتا۔ تمہیں مارنے سے پہلے میں اپنی کہانی سنانا پسند کروں گا۔''

میں بھی فادر کی کہانی سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گیا۔ آج پہلی بار وہ روح سامنے آئی تھی جس کی وجہ سے مجھ سے دو خون ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

روزا بہت خوب صورت تھی۔ بالکل شبنم کی بوند کی طرح معصوم اور خوبصورت۔ ان دنوں ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ آئے دن لوگ فساد کرتے، آپس میں لڑتے اور منہ کی کھاتے۔ میں ان دنوں چرچ میں پادری تھا۔ ایک لڑکی روزانہ عبادت کرنے آتی۔ میں اس کو جب بھی دیکھتا تو میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگتی۔ ایک روز میں نے اسے کنفیشن بکس میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ اپنے کسی گناہ کو قبول کرنے آئی تھی۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ پادری دعا کریں گے اور گناہ معاف ہو جائیں گے۔ میں نے اس کا گناہ سنا، اسے اپنے کیبن میں بلایا اور اس کے ساتھ زیادتی کی۔ اس نے جا کر پولیس میں شکایت کر دی۔ انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریز کسی زیادتی اور ریپ کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مجھے پھانسی ملی اور مجھے بغیر دعا کے دفن کر دیا گیا۔ جب سے میری روح ہر لالچی انسان کے جسم میں گھر بناتی رہی۔ یہ بھی میرا

شکار بنا۔ میں نے 200 سال تک مختلف لڑکیوں سے زیادتیاں کیں اور اگر مجھے مذہبی طریقے سے دفن کر دیا جاتا تو شاید میری روح کو سکون مل جاتا۔''

فادر اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ اسی دوران میں نے جدوجہد کر کے رسیوں کی بندش ڈھیلی کر لی تھی۔ ان لوگوں نے میرے پیر نہیں باندھے تھے۔ میں کسی طرح اس قید سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ شگاف جس سے کانتا برآمد ہوئی تھی میرے بھاگ جانے کا واحد ذریعہ تھی۔

''فادر! تم نے اپنی کہانی سنا دی اب چاپ چاپ چلے جاؤ۔ مجھے اس سے اپنی موت کا بدلہ لینا ہے۔'' کانتا غرائی۔

''ہرگز نہیں۔'' فادر مسکرایا۔

اتنا سننا تھا کہ کانتا نے ایک زوردار چیخ ماری۔ دوسرے لمحے وہاں ایک بہت خطرناک قسم کا شیر کھڑا تھا۔ کانتا نے شیر کا روپ دھارا تو فادر مسکرایا اور دوسرے پل فادر کی جگہ سبز دھاریوں والا دوسرا شیر کھڑا تھا۔ دونوں شیر دھاڑتے ہوئے ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے۔ کبھی ایک شیر کا پلہ بھاری ہوتا کبھی دوسرے کا۔

مجھے موقع ملا۔ میں نے آہستہ آہستہ اٹھتے ہوئے اس شگاف میں چھلانگ لگا دی۔ شگاف میں چھلانگ لگاتے ہی مجھے ایسا لگا کہ میں ہوا میں اڑ رہا ہوں۔ تیز ہوا کے جھکڑ مجھے تنکے کی طرح ادھر ادھر ڈولا رہے ہیں۔ میرا وجود بالکل ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ میرے کانوں میں شائیں شائیں اور تیز ہوا کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کافی دیر تک یہ سب چلتا رہا۔ دفعتاً مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا اور میں زمین پر جا گرا۔ میرا سر کسی پتھر سے ٹکرایا پھر میری آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا۔

نہ جانے میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا۔ ہوش آنے پر میں نے اپنے آپ کو عجیب سی جگہ پر پایا۔ میں نے دیکھا کہ یہ ایک گول دیواروں والا کمرہ ہے جس کی چھت کی کڑیوں کے ساتھ

انسانی کھوپڑیاں لٹک رہی ہیں، ہر کھوپڑی خون سے بھری ہوئی تھی جس سے خون ٹپک ٹپک کر مجھ پر گر رہا ہے۔ چاروں طرف ملگجی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ میرا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ آنکھیں کھلی ہیں منہ کھلا ہے لیکن جسم بے جان ہے۔ خون ٹپکتا ہوا میرے چہرے اور جسم پر گر رہا تھا۔ چار نوجوان عورتیں جن کے بال کھلے تھے اور دونوں ہاتھ سینوں پر بندھے تھے سیاہ لمبے کرتے پہنے ہوئے تھیں، میرے گرد سر جھکائے بیٹھی ہوئی دھیمی آواز میں بین کر رہی تھیں۔

کاش میں نے عقل سے کام لیا ہوتا تو آج میں گاؤں سے باہر نہ نکالا جاتا۔ ابا کی باتوں کو مانتا تو اس شیطانی چکر میں نہ گرفتار ہوتا۔

اچانک وہ عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور میرے گرد چکر لگانے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ کوئی بھی عورت سیاہ رنگ کی نہیں، سب گوری، خوب صورت انگریزوں کی طرح ان کے بال سنہرے ہیں۔ چکر لگانے کے بعد وہ ساری عورتیں میرے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ کچھ لمحے تک وہ ایسے ہی کھڑی رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے سارے کپڑے اتار پھینکے۔ اس کے بعد جو منظر میرے سامنے آیا۔ اسے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سانسیں تیز ہو گئیں، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

چاروں عورتوں کی ناف پر ایک سنہرے رنگ کا بچھو چمٹا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ان عورتوں کے چہروں پر اذیت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے۔ دفعتاً فضا میں عجیب سی بو پھیلنے لگی۔ بو سونگھتے ہی مجھے ان عورتوں کے چہروں پر دہشت صاف دکھائی دی۔ دوسرے پل وہ تیزی سے منتشر ہونا شروع ہو گئیں۔ بو اس قدر گندی اور تیز تھی کہ مجھے ابکائی محسوس ہونے لگی۔

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے، میں نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار میں شگاف پڑ گیا

ہے۔اس شگاف سے عجیب وغریب قسم کے چہرے والے لوگ اندر داخل ہو رہے ہیں۔ان کے چہرے نیلے اور آنکھیں کسی سرچ لائٹ کی طرح سرخ تھیں۔وہ تعداد میں دس کے قریب تھے۔ان سب کے سر بالوں سے بے نیاز تھے۔وہ سارے کے سارے سیاہ رنگ کے لبادے میں ملبوس تھے۔ان لوگوں نے ہاتھوں پر سیاہ دستانے چڑھا رکھے تھے۔وہ میرے گرد طواف کر رہے تھے۔ان کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بہت سے کتے مل کر ایک ساتھ غرا رہے ہوں۔ میں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔سمجھ نہیں آتا تھا یہ منحوس مخلوق کون ہے۔

یکا یک انہوں نے اپنے حلق سے آوازیں نکالنا بند کر دیں اور سر جھکائے تین تین قدم پیچھے ہٹ گئے۔اچانک کسی عورت کی مہیب چیخ نے خاموشی کا جگر چاک کر دیا۔اچانک مجھے کمرے کے ملگجے اندھیرے میں کوئی شگاف سے اندر آتا دکھائی دیا۔

آنے والا جیسے ہی سامنے آیا تو خوف سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔آنے والی نے سیاہ رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔وہ کوئی اور نہیں میری دشمن جان کانتا تھی ،کانتا کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

”تم نے جس شگاف میں چھلانگ لگائی وہ میری دنیا میں داخل ہونے کا ایک دروازہ تھا۔ میں نے اس فادر کے بچے کو ایسی جگہ پہنچایا ہے جہاں سے وہ کبھی واپس نہیں آسکتا۔اب تم ہمیشہ کے لئے میرے انتقام کا شکار ہوتے رہو گے۔نہ مرو گے اور نہ جیو گے صرف غلام بن کر رہو گے۔“

اتنا کہہ کر اس نے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکالی۔آواز کا نکلنا ہی تھا کہ نہ جانے کہاں سے ایک سیاہ پوش سامنے آ گیا۔اس سیاہ پوش کا سارا جسم چمکدار ریشمی لبادے میں ڈھکا ہوا

تھا۔اس کے چہرے پر سیاہ رنگ کا لبادہ تھا۔اس کا نام چلکاش تھا۔

''چلکاش! آج سے یہ تمہارا غلام ہے اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو لیکن یاد رکھنا مرنے نہ پائے۔'' کانتا نے غراتے ہوئے کہا۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔خیال رہے گا اور یہ مرے گا نہیں۔'' اس سیاہ پوش کے منہ سے آواز نکلی۔

''بہت خوب......'' کانتا مسکرائی اور پھر غائب ہو گئی۔

کانتا کے غائب ہوتے ہی چلکاش نے میری طرف دیکھا۔اپنے چہرے پر پڑا لبادہ اتار پھینکا۔چہرے کا لبادہ اترتے ہی میری چیخ نکل گئی۔

وہ ایک انسانی کھوپڑی تھی جس کی ناک اور آنکھوں کے سوراخ کے بیچ ایک چھوٹا سا چمکدار سانپ کبھی ناک کے سوراخ میں گھستا تو آنکھوں سے باہر آتا اور آنکھوں سے گھستا تو ناک سے باہر آتا۔

چلکاش آرام آرام سے چلتا ہوا میری جانب آیا۔میں دہشت بھری نظروں سے چلکاش کو دیکھ رہا تھا۔

''آج سے تُو میرا غلام ہے۔تُو سب کچھ بھول جائے گا۔جو میں بتاؤں گا وہ یاد رکھے گا۔''

میں نہیں جانتا تھا کہ چلکاش کیا کرنے والا ہے۔میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے وہ چمکدار سانپ اٹھایا اور مجھ پر چھوڑ دیا۔خوف اور دہشت سے میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔

سانپ نے بڑی سرعت کے ساتھ میرے ماتھے پر ڈس لیا۔

سانپ کے ڈستے ہی مجھے ایسے لگا، جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ میری رگوں میں انڈیل دیا ہو اور مجھ پر بڑی تیزی سے غنودگی طاری ہونے لگی۔یوں لگا جیسے میں خود کو فراموش کرتا جا

رہا ہوں۔ میری یادداشت جیسے دھندلی ہوتی جارہی ہو۔ چاروں طرف اندھیرا چھاتا جا رہا ہو۔ مجھے اپنے اندر ایک نئی شخصیت ابھرتی محسوس ہورہی تھی جو کہ خود کو بھی نہیں جانتی تھی۔

پھر مجھے ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

میں کون تھا، کہاں سے آیا تھا؟ میں نہیں جانتا تھا۔ ہوش آنے پر میری شخصیت بدلی ہوئی تھی۔ چلکاش اور دوسرے شیطانوں سے محبت سی محسوس ہورہی تھی۔

”آج سے تمہارا نام جبلی ہے، اور تم میرے غلام ہو، اور میرا پہلا حکم ہے کہ یہ مشروب پی جاؤ۔“ اس نے ایک سیاہ رنگ کا پیالہ میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

پیالے سے عجیب سی بدبو اٹھ رہی تھی۔ جیسے کچا گوشت سڑ گیا ہو مگر مجھے وہ بو خوشبو محسوس ہورہی تھی۔ میں نے اس پیالے کو دیکھا اور پھر سارا مشروب غٹا غٹ پی گیا۔ میرے مشروب ختم کرتے ہی مجھے سینے میں نہایت شدید قسم کی جلن محسوس ہونے لگی۔

”شاباش۔ اب تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔ اگر میں خوش ہوا تو تمہیں اپنا جانشین بنالوں گا۔“

میں نے اس کی بات نہ سنی، مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میرے سینے میں آگ لگ چکی ہو۔ نہ جانے وہ کس قسم کا مشروب تھا جس سے مجھے شدید قسم کی جلن محسوس ہورہی تھی۔ میرے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر چلکاش اپنی کرخت آواز میں گویا ہوا۔

”یہ دیوتاؤں کا جل ہے۔ تمہیں مہان بنادے گا، اب تمہیں میرا کام کرنا ہوگا۔“

”میں ہر آزمائش پر پورا اتروں گا۔“ میں نے سر جھکا کر کہا۔ مجھے خود حیرت تھی کہ یہ جملہ میرے منہ سے کیسے نکل گیا۔ میں ان کی عجیب وغریب زبان کیسے بولنے لگ گیا تھا۔ یہ اسی کالے جادو اور شیطانی قوتوں کا اثر تھا۔ میں خود بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کیا بن گیا ہوں بس

ایک حکم کا غلام۔

"شاباش۔ اب اس اسٹریچر پر لیٹ جاؤ۔" چلکاش خوش ہو کر بولا۔ میں چپ کر کے اس اسٹریچر پر لیٹ گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ بس میں چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

چلکاش نے آگے بڑھ کر میری قمیض نوچ لی۔ میرا سینہ ننگا ہو گیا۔ کچھ ہی لمحے کے بعد چلکاش نے اپنے منہ میں ہاتھ ڈال دیا۔ جب ہاتھ باہر نکالا تو ایک چوہے کے سائز جتنی چھپکلی اس کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے زندگی میں کبھی اتنی بڑی چھپکلی نہیں دیکھی تھی۔ اچانک اس نے وہ حرکت کی کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ وہ چھپکلی میرے سینے پر رینگ رہی تھی اور بار بار اپنی سرخ زبان سے میرے سینے کو چاٹنے لگی۔

"اس کا نام زباتا ہے اور یہ تمہاری رکھشک ہے۔"

کچھ دیر بعد چلکاش نے حلق سے عجیب سی آواز نکالی۔ آواز کے نکلتے ہی دروازہ کھل گیا اور ایک سیاہ پوش لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"آج سے تم اس کے ساتھ رہو گی اور اسے کام سمجھا دو کہ کیا کرنا ہے۔" یہ کہہ کر چلکاش باہر چلا گیا۔

وہ چھپکلی میرے سینے سے اس طرح چمٹی رہی تھی جیسے میرا سینہ اس کی قیام گاہ ہو۔

"یہ کچھ نہیں کرے گی۔" مجھے اس طرح ڈرتے دیکھ کر سیاہ پوش لڑکی بولی۔

"زباتا......تم جاؤ۔" لڑکی چھپکلی کی طرف دیکھ کر بولی۔ چھپکلی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کہ جیسے اس کی بات سن لی۔ دوسرے لمحے وہ میرے سینے سے اتر گئی۔

''جب تم اسے پکارو گے...... یہ آجائے گی۔'' اتنا کہہ کراس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اسٹریچر سے نیچے اتار دیا۔اس کے ہاتھ پکڑتے ہی میرے جسم میں دوڑتا لہو یکدم تیز ہوگیا۔ایسا لگا کہ جسم میں خون کی جگہ پگھلا ہوا سیسہ دوڑ رہا ہو۔مجھ پرایک خمار آلود کیفیت طاری ہوگئی۔میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور پھر بولی۔

''کسی وقت میں تمہاری یہ آرزو بھی پوری کردوں گی۔''

''میں چاہتا ہوں بہت جلد وہ دن آئے جب مجھے قرب ملے۔''میں نے بھی جواباً مسکرا کر کہا۔

زہر نے میرے اندر کی ساری انسانیت کو ختم کر دیا تھا۔سیاہ پوش لڑکی مجھے لے کر چلتی رہی اور میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔دروازے کے دوسری طرف ایک سرنگ نما راستہ تھا۔سرنگ نما تاریک راستہ ایک کیبن کے بند دروازے کے پاس جا کر ختم ہوگیا۔ہم کیبن میں داخل ہوگئے۔کیبن زیادہ بڑا نہ تھا۔

کیبن کی دیوار پرایک نہایت عجیب سی پینٹنگ لگی ہوئی تھی جس میں ایک عورت اور مرد نظر آرہے تھے۔مرد نے عورت کے سینے میں تلوار گھونپ رکھی تھی۔عورت کے سینے سے خون بہہ بہہ کر دیوار کے سہارے کھڑے ایک تابوت پر گر رہا تھا۔میرے لئے کوئی بھی بات حیرت انگیز نہ تھی کہ ایک بے جان پینٹنگ سے خون کیوں نکل رہا تھا۔

سیاہ پوش لڑکی نے تابوت کے ساتھ کھڑا ہونے کو کہا اور تابوت کا ڈھکن اٹھا دیا۔تابوت کے اندر ایک آدمی مردہ حالت میں پڑا تھا۔سیاہ پوش لڑکی نے بڑی تیزی سے اس مردے کے سارے کپڑے اتار دیئے۔مردے کے کپڑے اترتے ہی اس کا جسم تیزی سے گلنے لگا۔چند ہی لمحوں میں وہاں صرف بھربھری مٹی کا ڈھیر تھا۔سیاہ پوش لڑکی نے بڑی ہی حقارت سے اس مٹی کی طرف دیکھا۔اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

"جبلی...... یہ سارے کپڑے تم پہن لو۔"

میں نے کسی معمول کی طرح اس کے ہاتھ سے کوٹ اور پینٹ لے لیا اور لمحے میں کوٹ پینٹ میرے جسم پر نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے نہ جانے کہاں سے ایک عطر کی بوتل نکالی اور مجھ پر چھڑک دی۔ خوشبو کا ایک جھونکا میرے پورے جسم کو معطر کر گیا۔

"جبلی...... آج سے یہ تابوت تمہارا گھر ہے۔ تم اسی میں رہو گے۔"

"تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔" میں نے کہا۔

"شاباش...... اپنا کان ادھر لاؤ۔"

میں جیسے ہی اپنا کا ا اس کے قریب لے گیا اس نے نہ جانے کیا چیز پڑھی کہ گرم ہواؤں کے تیز جھونکے مجھے اپنے کان میں چلتے محسوس ہوئے۔

"میں نے تمہارے کانوں میں آقائے ابلیس کا سب سے طاقتور طلسمی منتر پھونک دیا ہے۔ اب تم انسانوں کی دنیا میں ویسا کرو گے جیسا ہم چاہیں گے۔"

"ہاں، میں وہی کروں گا جو تم لوگ کہو گے۔" مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری آواز مجھے اندھے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی ہو۔

"شاباش۔ اب آنکھیں بند کر لو۔"

اور جیسے ہی میں نے آنکھیں بند کیں میرے پیر زمین سے اٹھ گئے۔ مجھے اپنے اردگرد تیز ہواؤں کا شور محسوس ہو رہا تھا۔ کبھی سمندر کی طوفانی موجیں شور کرتی محسوس ہوتی، میں ہوا میں پرواز کر رہا تھا۔ مجھے اپنے اردگرد سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے ایسی بو محسوس ہونے لگی جیسے کہیں تازہ دفن کئے گئے مردے کی قبر کسی نے کھول دی ہو۔

"آنکھیں کھول دو۔" سیاہ پوش لڑکی کی آواز آئی۔ جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں

تو میں نے دیکھا کہ میں کسی قبرستان میں کھڑا ہوں اور سیاہ پوش لڑکی کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ میرے چاروں طرف قبریں ہی قبریں تھیں۔ ان قبروں پر سوکھی شاخوں والے درخت جھکے ہوئے تھے۔ ان کے اوپر چاند نکلا ہوا تھا جس کی ماتمی اور اداس روشنی قبرستان کی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا بنا رہی تھی۔

''آگے آگے بڑھتے جاؤ جبلی۔'' سیاہ پوش لڑکی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں آگے بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ قبرستان کا نیم شکستہ گیٹ میرے سامنے آ گیا تو اچانک مجھے وہی سیاہ پوش لڑکی دوبارہ نظر آئی جو کہ گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ آہستہ سے چلتی چلتی میرے سامنے آ گئی۔ اس نے اپنی چمکتی مدہوش کن آنکھوں سے مجھے گھورا اور پھر بولی۔

''ہمارے طاقتور طلسمی منتروں کی بدولت تم دنیا کی ہر زبان سمجھ سکو گے۔ روپیہ پیسہ تمہارے اشاروں پر ناچے گا۔ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ جو روپ لینا چاہو لے سکتے ہو۔ ایک بات یاد رکھنا، صرف مسجد سے دور رہنا ورنہ تمہارا انجام بہت خوف ناک ہوگا۔ تم اس وقت پیرس میں ہو۔ اب جاؤ میں ہمیشہ تم پر نظر رکھوں گی۔ اب جاؤ۔'' اتنا کہہ کر وہ غائب ہوگئی۔

میں جیسے ہی قبرستان سے باہر نکلا۔ میرے سامنے ایک پکی سی سڑک تھی۔ میں بڑے خوش خوش انداز میں اس سڑک پر چل رہا تھا۔ مجھے کوئی پرواہ نہ تھی کہ میں شیطانوں کے کس قدر بھیانک گروہ میں پھنس چکا ہوں۔ اچانک مجھے سڑک کے بیچ سے ہلکی ہلکی روشنی پھوٹتی دکھائی دی۔

روشنی کا قطر ایک ننھے سے جگنو کی طرح تھا۔ آہستہ آہستہ روشنی کا سائز بڑھنے لگا۔ روشنی دائرے کی شکل میں تھی اور دائرے سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے دائرے کے اندر مجھے ایک نہایت ہی خوب صورت اور نورانی صورت دکھائی دی۔ وہ ایک سفید باریش بوڑھا تھا

جو مجھے دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے کی صورت کے ظاہر ہوتے ہی فضا یکدم جیسے معطر ہو گئی تھی۔ اتنی دلفریب اور حسین خوشبو میں زندگی میں کبھی نہیں سونگھی تھی۔

''کیا حال بنالیا ہے میرے بچے تو نے۔'' اس بوڑھے کے لبوں کو جنبش ہوئی۔

''کون ہو تم بڑے میاں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ میری بات سن کر بوڑھے کی آنکھوں سے حیرت ظاہر ہوئی۔

''اپنے آپ کو پہچان بدنصیب۔ میں نے تیرے کان میں بچپن میں لوری کی جگہ اذان کی آواز سنائی تھی۔'' بوڑھے کی آواز میں افسردگی تھی۔

''کیا مطلب، میں سمجھا نہیں؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں تیرا باپ ہوں بدنصیب۔ توبہ کا در ابھی بند نہیں ہوا۔ پہچان اپنے آپ کو، شیطان کی راہوں پر مت چل۔ ناخلف۔''

''بکواس مت کرو بڑے میاں، میں تمہارا کوئی بیٹا نہیں ہوں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ میری بات سن کر اس بوڑھے کی آنکھوں سے غم ظاہر ہونے لگا۔ چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بولا، پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''تیرے نصیب میں ٹھوکریں کھانا لکھا ہے۔ کاش تو وقت کی مار کھائے بغیر سدھر جائے۔''

پھر اس بوڑھے کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ روشنی بھی۔

میں حیران و پریشان تھا کہ بوڑھا جو کہ خود کو میرا باپ ظاہر کر رہا ہے۔ میرا نام تو جبلی ہے۔ میرا تو کوئی باپ نہیں۔ میرے ذمہ جو کام سونپا گیا تھا مجھے وہ کرنا تھا۔

میں سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ میں تھوڑی دور ہی گیا ہوں گا کہ مجھے ایک کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کسی کار کی روشنیاں میری طرف بڑھ رہی تھیں۔

کار میرے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔ میں شش و پنج میں مبتلا تھا کہ میں کار میں بیٹھوں کہ نہیں۔ میرے کانوں میں سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ ''یہ کار تمہیں تمہاری منزل کی طرف لے جائے گی۔ بیٹھ جاؤ اس میں۔'' آواز اسی سیاہ پوش لڑکی کی تھی۔ سیاہ پوش کا حکم سنتے ہی میرا ڈر و خوف ختم ہوگیا اور میں کسی غلام کی طرح گاڑی میں بیٹھ گیا۔ کار اندر سے نہایت ٹھنڈی تھی۔

''گڈ ایوننگ سر!'' ڈرائیور نے مجھے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ میں نے بھی جواباً سر ہلا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

''سر! کیا حال چال ہیں آپ کے۔ میں آپ کو شہر کے سب سے مہنگے ترین ہوٹل میں لے چلوں گا۔'' ڈرائیور نہایت ہی شائستہ قسم کی انگریزی میں بولا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ میں تو اس شہر میں نیا ہوں۔'' میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔ ایک بات تو میں ضرور سمجھ گیا تھا کہ ان شیطانی قوتوں کی وجہ سے میں دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتا تھا۔ میری گاڑی جیسے ہی پیرس کے سب سے بڑے ہوٹل پہنچی، میرے کان میں ہلکی سی سرگوشی سنائی دی۔

''اس ہوٹل کے ڈانسنگ فلور پر ایک لڑکی تمہیں ملے گی جس کے بال گولڈن رنگ کے ہیں۔ تمہیں اس سے دوستی کرنی ہے۔ تمہارا نام پرنس احسن ہے۔ اسے ایشیائی بہت پسند ہیں۔ تم اسے بہلا پھسلا کر پیرس کے سب سے بڑے گرجا گھر کے پیچھے لاؤ گے۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیا کرنا ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک سرخ باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور میں مسکراتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ گاڑی سے نکلتے ہی میرے کپڑے یکدم ہی بدل گئے تھے۔

ہوٹل کے ہال کی بھرپور رنگینیاں عروج پر تھیں۔ ڈانسنگ فلور پر برہنہ اور نیم برہنہ عورتیں رقص کر رہی تھیں۔ کچھ لوگ ان پر توجہ دے رہے تھے اور کچھ نہیں، ہال میں مدہم سروں میں موسیقی بج رہی تھی۔ ویٹرس اور ویٹرز بڑے بڑے طشت ہاتھوں میں لئے ادھر ادھر سروس میں مشغول تھے۔ کوئی بہکا ہوا شرابی کسی ویٹرس کو گدگدا دیتا تو وہ مسکراتی ہوئی بھاگ جاتی۔ کئی ویٹرس اور رقاصائیں گاہکوں کے ساتھ بک ہو کر ہوٹل کے کمروں میں جا رہی تھیں۔

میں نے ایک میز منتخب کی اور اس پر بیٹھ گیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگائی۔ چند ہی لمحوں کے بعد ایک نہایت خوب صورت ویٹرس میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"سر! آرڈر پلیز۔" اس نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے کہا۔ میں نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں بڑی خوب صورت تھیں۔

"ون لارج وسکی ود سوڈا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"او کے سر۔ اور کھانے کے لیے کیا لاؤں؟"

"چکن سینڈوچ اور فرنچ فرائز۔" میں نے مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کہا۔ وہ جانے لگی تو میں نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا۔ میری آواز پر وہ رک گئی۔

"یس سر۔" وہ مسکرائی۔

"تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا ایک اچھا تجربہ ہو گا۔" میں نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر وہ دل آویز انداز میں مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بے حد جاندار تھی۔

"وائے ناٹ سر۔ ہماری روزی آپ لوگوں کے دم سے ہے۔" یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی

چل دی۔ آرڈر کے پورا ہونے تک میں اسی ویٹرس کے بارے میں سوچتا رہا۔

''عیاشی میں پڑ کر اپنے مقصد کو بھول مت جانا۔'' ایک مدھم سی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی جو کہ یقیناً اسی سیاہ پوش لڑکی کی تھی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔

شراب کے گلاس کے پہلے گھونٹ نے میرے سینے میں آگ سی لگادی تھی۔ جو انسان زندگی میں کبھی نہ پیتا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے، جو پہلی بار پینے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میرا چہرہ تکلیف اور کڑواہٹ کے احساس سے بگڑ گیا تھا۔ دفعتاً میری نظر گیٹ پر پڑی۔ ہال کے گیٹ سے جیسے چاند طلوع ہوا تھا۔ اس لڑکی کا حسن وشباب جیسے اس پورے ہال کی تمام لڑکیوں پر بھاری تھا۔

سفید رنگ کے اسکرٹ پر گندمی رنگ نیا امتزاج پیدا کر رہا تھا۔ اس کی مخروطی گردن، کتابی چہرہ، بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھیں، سنہرے بال ہر مرد کے جذبات کو اتھل پتھل کرنے کے لئے کافی تھے۔

''یہی ہے وہ لڑکی، اس کا نام سالوسن ہے۔ اس کا شکار ذرا ہوشیاری سے کرنا۔'' وہی مدھم سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ لڑکی ہال میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ ہزاروں نظروں نے اس کا طواف کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک خالی میز منتخب کر کے اس پر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ بہت سے نوجوانوں نے اسے رقص کی دعوت دی تھی مگر ان سب کو مسکرا کر ٹالتی رہی۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ ایک میل ویٹر اس لڑکی کی ٹیبل کے سامنے نظر آیا۔ وہ لڑکی اسے آرڈر دے رہی تھی۔

پورے ہال میں انگریزی میوزک مدھم آواز میں گونج رہا تھا۔

''تم جاؤ۔اسے ایشین بہت پسند ہیں۔تمہاری دال گل جائے گی۔'' وہی مدھم سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔میں آہستہ سے اٹھا اور اس کی طرف چلنے لگا۔

''ایکسکیوزمی۔میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟'' میں نے انتہائی مودبانہ طریقے سے اس سے اجازت طلب کی۔اس نے سر سے پیر تک میری طرف دیکھا پھر مسکرا کر بولی۔

''یس وائے ناٹ۔'' اس کی آواز سن کر مجھے ایسا لگا کہ کوئی دور ویرانے میں کلاسیکل موسیقی پر مشق کر رہا ہو، واقعی اس کی آواز بے حد خوبصورت تھی۔میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''مجھے ایشین بے حد پسند ہیں اسی لئے میں نے آپ کو اس سیٹ پر بیٹھنے دیا۔مجھے اپنے ملک کے لوگوں سے نفرت ہے۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں نفرت کی۔'' میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''چھوڑیں وجہ کو۔اوہ سوری، میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں کیا لیں گے آپ؟'' وہ مسکرا کر بولی۔میں دیکھ چکا تھا کہ ویٹر اس کی ٹیبل پر جوس کا گلاس رکھ کر گیا ہے شاید وہ شراب نہیں پیتی تھی۔

''فریش جوس کوئی سا بھی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

اس نے ویٹر کو بلا کر جوس کا آرڈر دیا۔اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

''میرا نام سالوسن ہے......اور آپ کا نام؟''

اس کی بات سن کر میں سوچنے لگا کہ میں اس کو کیا نام بتاؤں؟ وہ میری جواب کی منتظر تھی۔

''وجے کمار بتادو'' وہی مدھم سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔اچانک میں نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا۔وہ بڑی ہی گہری نظروں سے میری جانب دیکھنے لگی۔دوسرے لمحے اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس نے سرگوشی سن لی ہو۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔ نام نہیں بتانا تو کوئی مسئلہ نہیں۔'' اس نے ایک بار پھر اپنی خوب صورت مسکراہٹ میری طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

''اوہ ایسی بات نہیں۔ مجھے وجے کمار کہتے ہیں۔''

میرا نام سن کر اس کے ہونٹوں پر نہایت معنی خیز مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ مجھے بے وقوف بنانا آسان نہیں، میں سب جانتی ہوں۔ نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ سالومن کوئی آسان شکار نہیں۔ جو وہ نظر آتی ہے وہ ہے نہیں۔

''بہت خوب صورت نام ہے آپ کا۔ غالباً آپ انڈیا سے ہیں۔''

''جی بالکل۔'' میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ اس بار اس نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا کہ جیسے اسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔ کچھ ہی دیر کے بعد ویٹر جوس لے آیا اور میں جوس سپ کرنے لگا۔

''بہت خوب مسٹر وجے۔ سالومن آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھا دیا۔ جیسے ہی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے ایسا لگا جیسے ہاتھ بہت گرم تھا۔

کسی خوب صورت لڑکی کا ہاتھ تھامنے میں جس طرح کا احساس ہونا چاہئے سالومن کا ہاتھ تھامتے ہی میں نے ایسی کوئی کیفیت محسوس نہیں کی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے قبرستان کی ویرانی محسوس ہوئی۔ لیکن مجھے کیا، مجھے تو اسے گھیر کر گرجا گھر کے پیچھے لے کر جانا تھا۔

''سالومن! تم بہت خوب صورت ہو۔'' میں نے اپنے لہجے کو نشیلا بناتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی اس کی طرح نہایت خوب صورت تھی لیکن میں اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔

"آپ بھی کچھ کم نہیں ہیں مسٹر وجے۔"
"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" میں نے اسے مکھن لگاتے ہوئے کہا۔
"کل آپ کیا کر رہی ہیں مس سالومن۔" میں نے اسے گھیرنے کی ابتداء کرتے ہوئے کہا۔
"اوہ...... کچھ خاص نہیں۔"
"میں اس شہر میں بالکل نیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس شہر میں گھمائیں پھرائیں۔" قدرے توقف کے بعد میں نے کہا۔
"اوہ ضرور۔ کل دوپہر تین بجے میری گاڑی آپ کو پک کرے گی۔ اب مجھے چلنا چاہئے کافی دیر ہوگئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئی میں نے اپنی نظر سالومن کی کرسی کی جانب گھمائی۔ یہ دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ سالومن کی کرسی پر وہی سیاہ پوش لڑکی اب بیٹھی تھی۔
سیاہ پوش لڑکی اپنی بڑی سیاہ آنکھوں سے مجھے ستائشی نظروں سے گھور رہی تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب میں نے اسے بغیر نقاب کے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ بہت خوب صورت تھا۔ گو کہ رنگ سفید نہ تھا مگر گندمی رنگ کے باوجود اس کے چہرے پر ایک کشش موجود تھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ آنکھیں میں نے کہیں دیکھی ہیں۔ لیکن ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی مجھے یاد نہ آیا۔
"بہت اچھے جا رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔
"آپ یہاں؟" میں نے سٹپٹا کر پوچھا۔
"کیوں اس میں حیرت کی بات کیا ہے؟ تم ہماری طاقت کو نہیں جانتے۔ خیر چھوڑو ان فضول باتوں کو۔ کل جب اس کے ساتھ جاؤ گے تو بہت دھیان سے کام کرنا اور ہاں وہ

جو نظر آتی ہے وہ ہے نہیں، بہت احتیاط برتنا۔“ اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

”آپ بے فکر رہیں، جبلی بہت دھیان سے کام کرے گا۔“

”شاباش۔ اب میں چلتی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں کافی دیر اسی میز پر بیٹھا رہا اور اس فلور پر موجود لوگوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا اور جب میں تھک گیا تو اسی ہوٹل میں بک اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جس کی رہنمائی ایک ویٹر نے کی تھی۔

رات میں ویٹر حسب وعدہ میرے کمرے میں آ گئی۔ وہ رات میرے لئے نہایت یادگار ثابت ہوئی تھی۔ اس کی قربت کا ایک ایک لمحہ آج بھی میرے ذہن پر نقش ہے۔ وہ ایک واقعی بھرپور لڑکی تھی جس میں غضب کی بلاخیزی تھی۔ جس نے واقعی مجھے اسیر کر کے رکھ دیا تھا۔

دوسرے دن دوپہر تین بجے سالومن کی گاڑی آ گئی تھی۔ اس روز میں نے کوشش کی کہ سالومن کسی طرح متاثر ہو جائے تاکہ وہ میرے ساتھ گرجا گھر آنے کے لئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ڈریس اپ ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پیلے رنگ کے سوٹ میں، میں کسی ریاست کا پرنس معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ہی میں کمرے سے باہر نکلا تو اسی سیاہ پوش کی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔

”جبلی! یہ تمہارا امتحان ہے۔ اگر تم کامیاب ہوئے تو سمجھنا آقائے ابلیس کے خاص چیلے کہلاؤ گے۔“

”یہ آقائے ابلیس میں پہلی بار سن رہا ہوں تمہارے منہ سے۔“ میں نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”ہم سب کا آقا جس نے آج تک ہم کو درشن نہیں دیئے۔“ اس کے لہجے میں حسرت تھی۔
”اچھا۔“ میں نے ہونقوں کی طرح سرہلاتے ہوئے کہا۔
”یاد رکھنا، تم جیسے ہی اس کی گاڑی تک پہنچو گے میری آواز تم سے دور ہو جائے گی۔ پھر تم کو اپنی عقل خود لڑانی ہے۔“
”دور ہو جائے گی مطلب؟“ میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ سیاہ پوش لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ میں گاڑی تک پہنچ گیا۔ اس کی گاڑی بھی اس کی طرح شاندار تھی۔ اس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ نہایت امیر وکبیر ہے۔ میرے پہنچتے ہی ہوٹل کے ایک ویٹر نے لپک کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور میں اس میں بیٹھ گیا۔
ایک بات میرے لئے نہایت حیرت انگیز تھی۔ سالومن کی کار کا رنگ نہایت سرخ تھا جیسے انسانی خون۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی نے کار کو تازہ تازہ انسانی خون سے نہلایا ہو۔ کار میں میرا استقبال کرنے کے لئے سالومن موجود تھی۔ اس نے سرخ رنگ کی فراک پہن رکھی تھی۔ اس نے تیار ہونے میں ضرورت سے محنت کی تھی۔ نہ جانے کیوں سالومن کو دیکھ کر خوف کی ایک سرد لہر میرے اندر دوڑ گئی۔
”نائس۔ یو آر ویری اسمارٹ۔“ اس نے مسکرا کر میری تعریف کرتے ہوئے کہا۔
”آپ بھی کچھ کم نہیں۔ کس پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے؟“ میں نے بھی اسی لہجے میں کہا۔
میری بات سن کر وہ ہنس پڑی۔ اسے ہنستے دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں نے زندگی میں اتنی خوب صورت ہنسی نہیں دیکھی تھی۔
”آپ پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔
”ہم تو ویسے ہی آپ سے گھائل ہو چکے ہیں۔“ میں نے کسی روایتی عاشق کی طرح

ڈائیلاگ مارتے ہوئے کہا۔

"شاعری کر رہے ہو یا بے وقوف بنا رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"نہیں...... سچ بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ باتیں اچھی بنا لیتے ہو۔ اچھا چھوڑو کہاں چلیں۔"

"میں چاہتا ہوں پیرس گھومیں۔ اس کے بعد اس پرانے گرجا گھر کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں جو کہ آسیب زدہ مشہور ہے۔"

"اس گرجا گھر کے بارے میں کیا جانتے ہو تم۔"

"زیادہ نہیں بس اتنا کہ وہ آسیب زدہ ہے اور ویران ہو چکا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"وہ گرجا گھر پیرس کا سب سے قدیم گرجا ہے۔ اب وہاں عبادت نہیں ہوتی بلکہ لوگ وہاں شکتیاں دان دینے جاتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔ آؤ میں تمہیں یہ شہر گھماتی ہوں۔" اس نے میرے سوال کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سے میں سوچ میں پڑ گیا کہ یقیناً وہ گرجا گھر بہت پراسرار جگہ ہے ورنہ چلکاش اور سیاہ پوش لڑکی، سالومن کو گرجا گھر کے پیچھے لانے کو نہ کہتے۔ کیا ان کے پاس اتنی قوتیں نہ تھیں کہ وہ سالومن کو خود لا سکیں یا سالومن کے پاس ان سے زیادہ قوتیں ہیں۔ سالومن بھی میری سمجھ سے باہر تھی، ضرور اس کے پاس بھی ایسا کچھ تھا جس کی وجہ سے سیاہ پوش لڑکی نے مجھے ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔

وہ کیا چیز تھی میں نہیں جانتا تھا؟ بس میں تو اتنا جانتا تھا کہ سیاہ پوش لڑکی اور چلکاش میرے

مالک تھے جو انہوں نے مجھے کہا ہے وہ مجھے کرنا ہے۔

سالومن نے مجھے پیرس شہر گھمانا شروع کر دیا تھا۔ اگر پیرس کو خوابوں کی جنت کہا جائے تو کم نہ ہوگا۔ اگر آپ ایفل ٹاور پر کھڑے ہو کر سمندر کا نظارہ کریں تو وہ نظارہ آپ کے لئے دنیا کا حسین ترین نظارہ ہوگا۔ اس کے بعد نوٹرا ڈیم بھی دیکھنے والوں کے لئے قابل دید ہے اور بہت سی قابل دید جگہیں جن میں گھوما پھرا جا سکتا ہے اور لیکسم پارک کافی نمایاں جگہ ہے۔

غرض شام تک میں تھک کر چُور ہو چکا تھا لیکن ابھی تک میری سیاحت پوری نہیں ہوئی تھی۔ سالومن بھی کافی تھک چکی تھی، جو کہ اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔

''گرجا گھر کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' میں نے بھرپور تھکن کے باوجود جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں اس وقت کار میں بیٹھ چکے تھے۔

''ضرور ضرور۔ مگر پہلے ایک ایک ڈرنک ہو جائے۔ آج میں تمہیں ایک ایسا ڈرنک پلاؤں گی جو کہ تمہاری ساری تھکن دور کر دے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نہایت معنی خیز لہجے میں کہا۔ اس کے بدلے ہوئے لہجے کو محسوس کر کے میں چونک پڑا لیکن مجھے کوئی فکر نہ تھی۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

''آج ٹھنڈ بہت زیادہ ہے۔ وہ ڈرنک سردی میں تمہیں گرما دے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واقعی...... پھر تو وہ ضرور پینا چاہیے۔'' میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اور کیا بات ہے اس مشروب میں؟'' میں نے چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ پوچھا۔

''وہ ڈرنک پوری دنیا میں نہیں سوائے ایک جگہ کے۔ اس کے اثرات بہت فائدہ مند ہیں۔'' اتنا کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔ اس کی ڈرائیونگ بہت شاندار تھی۔ اس کا اندازہ

مجھے ہو گیا تھا، شام کے سات بج چکے تھے۔
تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد اس نے کار ایک ویران اور سنسان سڑک پر روک دی۔ میں ابھی اس سے کار روکنے کی وجہ پوچھنے ہی والا تھا کہ میری نظر اپنے بائیں جانب پڑی۔ نظر پڑتے ہی میں چونک گیا اور خوف کی ایک سرد لہر مجھے اپنے اندر دوڑتی محسوس ہوئی۔ میرے بائیں جانب ایک قبرستان تھا۔ قبرستان کے اندر جلتے بڑے بڑے برقی قمقموں کی روشنی میں قبریں صاف نظر آ رہی تھیں۔ میں سمجھ چکا تھا کھیل شروع ہو چکا ہے۔ سالومن شاید میری اصلیت سے واقف ہو چکی ہے اور مجھے یہاں ختم کرنے لائی ہے۔ میں زباتا کو آواز دینے کے بارے میں سوچ رہی تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ میں بری طرح سے چونک پڑا۔
”ڈرو مت، سامنے دیکھو۔“ اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
میں نے ونڈ واسکرین سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تو میرے اندازے کے مطابق قبرستان سے قریب ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک چمکتا سائن بورڈ نظر آ رہا تھا جس پر بڑے بڑے حرفوں میں BAR لکھا نظر آ رہا تھا۔
”یہی وہ جگہ ہے جہاں سے وہ ڈرنک ملتا ہے۔“ سالومن مسکرائی۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں عجیب وغریب کیفیات کا نزول ہو رہا تھا۔ سالومن کی شخصیت لمحوں بھر میں مجھے پراسرار معلوم ہونے لگی تھی۔ آخر اس ویرانے میں اس قبرستان کے راستے میں بار کھولنے کا مقصد کیا تھا؟ میں اپنی حیرت چھپا نہ سکا اور پوچھ بیٹھا۔
”یہ بار ہمارا اپنا ہے۔ یہ ڈرنک بہت ہی خاص ہے اور غیر قانونی طور پر امپورٹ کیا جاتا ہے۔ اس لئے پولیس کے ڈر سے یہاں کھولا ہے......اور کوئی ایسا خاص بات نہیں۔“ اس

نے عام سے لہجے میں کہا۔

نہ جانے کیوں مجھے اس کا یہ جواب بے وزن اور کھوکھلا محسوس ہوا۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے؟ لیکن کیوں اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے زباتا کو بلانے کا فیصلہ کرلیا۔

''اب چلیں......'' وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔

''ضرور۔ کیوں نہیں۔'' اتنا کہہ کر میں نے دل ہی دل میں زباتا کو آواز دینا شروع کردی۔ آواز دینا ہی تھی کہ میرا جسم گرم ہونا شروع ہوگیا جوکہ اس بات کا اعلان تھا کہ زباتا بس آرہی ہے۔

دفعتاً سالومن نے اپنا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اپنی خوب صورت سی آنکھوں سے مجھے گھورنا شروع کردیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے جیسے ننھی ننھی چنگاریاں نکل رہی ہوں۔ جیسے کہہ رہی ہو تم کسی کو بھی بلالو مگر میرے چنگل سے بچ نہیں سکتے۔ دفعتاً میرا جسم گرم سے سرد پڑنا شروع ہوگیا۔ صاف ظاہر تھا کہ زباتا واپس جارہی ہے۔

''کہاں کھوگئے......'' وہ میری طرف دیکھ کر نہایت معصومانہ انداز میں مسکرائی۔ اس کی مکاری اور بھولپن سے میرا خون کھول اٹھا مگر مجبوری تھی۔ اب تو کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ لاچار میں بھی اس کے ساتھ گاڑی سے اتر گیا۔ گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے گوشت کے جلنے کی بو محسوس کی۔ خوف کی لہر میرے اندر دوڑ گئی۔ ''کیا اس نے زباتا کو ماردیا تھا؟''

''کیا سالومن چلکاش اور سیاہ پوش لڑکی سے زیادہ طاقتور تھی؟'' میں پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا جبکہ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

بار کے اندر کا منظر بالکل وہی تھا جیسا ہونا چاہیے۔ اندر ایک خوب صورت فانوس چھت کے درمیان لٹکا جھلملا رہا تھا۔ بار میں ایک ساٹھ سالہ بوڑھا کیف و مستی میں بار کے چکنے فرش پر محو رقص تھا۔

سالومن مجھے لے کر اس کاؤنٹر کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی جہاں شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔ بار کے اندر عجیب طرح کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لوگ تو موجود تھے لیکن اپنی اپنی جگہوں پر، اپنی میزوں پر بیٹھے سر جھکائے ہوئے تھے۔

کاؤنٹر کے دوسری جانب ایک سفید فام نازک اندام لڑکی کھڑی تھی جس کی پشت ہماری جانب تھی۔ سالومن نے کاؤنٹر کے پاس پہنچ کر کھنکارا تو وہ لڑکی ہماری جانب مڑ گئی۔

''یس میڈم؟'' اس کی آواز نہایت خوب صورت تھی۔ میں اس دلکشی اور سحر میں کھو گیا۔

''وہ لے آؤ...... آب حیات۔'' سالومن اس کی طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں بولی۔

آب حیات کا سن کر وہ چونک پڑی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے خوب صورت چہرے پر لرزہ طاری ہوگیا ہے لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ کاؤنٹر سے ملحق چھوٹا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

دو منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سربمہر (سیل) بوتل تھی جس کے اندر عجیب طرح کا محلول تھا جو کہ تھوڑے تھوڑے سیکنڈ میں رنگ بدل رہا تھا۔

''اسے پی لو۔ یہ دیوتاؤں کا مشروب ہے۔ جو تمہاری کھوئی شخصیت واپس دے گا۔ تمہیں یاد دلائے گا کہ تم جبلی نہیں ہو، پرنس احسن نہیں ہو......'' یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ تو گویا وہ سب کچھ جانتی تھی جیسے اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا اسی لمحے ایک بجلی سی میرے اندر دوڑ گئی۔

دفعتاً ایک تیز چیخ کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور میں گھبرا گیا۔ چیخ نسوانی تھی۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ آواز میں نے کہیں سنی ہے۔

"یہ مشروب پیو۔" اس نے مشروب گلاس میں نکال کر دیتے ہوئے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ میں ہچکچایا لیکن دوسرے لمحے میں نے دیکھا کہ سالومن کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور بجلی کی تیز لہر میرے اندر دوڑنے لگی ہے۔ اس کی آنکھوں سے نکلتی شعاعوں نے جیسے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ میں حکم کا غلام ہوں۔ میں حکم نہ مانوں گا تو وہ شعاعیں مجھے جلا دیں گی۔ پھر میں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے وہ مشروب پی لیا۔

وہ مشروب نہایت ہی فرحت بخش تھا۔ یوں لگا کہ جیسے کسی نے خوشبوؤں سے میرے جسم و جان کو معطر کر دیا ہو۔ پھر مجھے سب کچھ یاد آ گیا کہ میں کیا ہوں۔ ایک ایک بات، سب کچھ۔ میرے دل میں سالومن کے لیے عقیدت محسوس ہونے لگی تھی۔

"اب کیسا لگ رہا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں احسان مند ہوں۔"

"تو پھر احسان کا بدلہ اتارنا ہوگا۔ مجھے مکتی دے کر۔ میں پانچ سو سالہ زندگی کا عذاب کاٹ کر تھک چکی ہوں۔" اس کے لہجے میں تھکن عیاں تھی۔

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"مطلب میں سمجھاتی ہوں...... میرے پاس بہت قوت ہے۔ سیاہ پوش لڑکی وہ دراصل کاناتا ہی ہے۔ تم سے بدلہ لینے کے لئے ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی۔ وہ تمہارے ذریعے گرجا گھر میں مجھے بلا کر میری بلی دیتی۔ اگر میں گرجا گھر میں داخل ہو جاتی تو پھر کوئی قوت مجھے تمہارے ہاتھوں ذبح ہونے سے نہیں روک سکتی تھی۔ میری موت ہوتے ہی وہ

تمہیں بھی ماردیتی۔تمہارے اور میرے خون سے غسل کرتی اور میری ساری قوتیں اس کومل جاتیں۔لیکن اب وہ قوتیں میں تم کودوں گی اپنی مکتی کے لئے۔“

”مگر کیوں؟“میں نے حیرت سے کہا۔

”وہ اس لئے کہ میں سکون سے مرسکوں۔ میں نے پانچ سوسال کی طویل زندگی گزاری ہے اب میں تھک چکی ہوں۔“

”پانچ سوسال۔“میں نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔میری آنکھوں میں بے یقینی محسوس کرکے وہ دھیرے سے مسکرائی اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔

”میری یہ قوتیں میری پانچ سوسالہ ریاضت کا نتیجہ ہیں جو میں تم کودے رہی ہوں۔جب تم اس زندگی سے تھک جاؤ میری طرح یہ قوتیں کسی اور کو دے دینا۔“اتنا کہہ کراس نے اپنے ہاتھ کا دباؤ سختی سے میرے ہاتھ پر دینا شروع کردیا۔

دفعتاً مجھے ایک جھٹکا سالگا۔یوں لگا کہ جیسے اس کی آنکھوں سے شرارے نکل نکل کر میری آنکھوں میں منتقل ہورہے ہوں۔مجھے اپنے اندر ایک تبدیلی سی محسوس ہونے لگی۔ایسا لگا کہ میرے اندر ایک ہزار پاور کا کرنٹ دوڑنے لگا ہو۔اچانک میں سالومن کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اس کے وجود پر بڑی تیزی سے بڑھاپے کے آثار نظر آنے لگے تھے، جیسے ہی اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو یہ دیکھ کر میں چونک پڑا کہ سالومن کی جگہ ایک نحیف ونزار بڑھیا بیٹھی ہے۔

”میرا وقت قریب ہے۔اب تم بے تحاشہ قوتوں کے مالک ہو۔“وہ کراہتے ہوئے بولی۔

”تمہارا شکریہ سالومن۔اب میں انتقام لے سکوں گا۔“ میں اپنے اندر قوتوں کا خزانہ محسوس کررہا تھا۔مگر سالومن نے کوئی جواب نہ دیا۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔اچانک اس کا

جسم بھربھرانے لگا۔ کچھ لمحوں میں اس کا جسم راکھ کے ڈھیر کی طرح بکھر گیا۔ سالومن کو بکھرتے دیکھ کر میں وہاں سے اٹھ گیا۔ ایک لمحے کے لئے اس پر اچٹتی نظر ڈالی اور بار سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ میں نے مڑ کر بار کی طرف نظر ڈالی لیکن اب وہاں کچھ نہ تھا ہاں البتہ سالومن کی کار ضرور کھڑی تھی۔ میں نے کار اسٹارٹ ہی کی تھی کہ میرے کانوں میں ہلکی سی سرگوشی سنائی دی جو کہ سالومن کے سوا کسی کی نہ تھی۔

”جب تم کو مکتی کی ضرورت ہو، زندگی سے تھک جاؤ تو اپنی قوتیں کسی اور کو دے دینا میری طرح تم بھی بھربھرا جاؤ گے۔ یہ قوتیں صرف ظلم کرنے سے بڑھتی ہیں۔ نیکی کا خیال دل میں آیا تو قوتیں ختم ہو جائیں گی۔“ آواز خاموش ہو چکی تھی۔

دوسرے دن میں نے سامان باندھا اور پاکستان جانے والے طیارے میں سوار ہو گیا۔ جہاز ائیرپورٹ سے ٹیک آف کر گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مسافروں کو مختلف قسم کے مشروبات دیئے جانے لگے تھے۔ میں نے اپنے لئے جوس منگوالیا تھا۔ جہاز کو پرواز کئے ہوئے پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اکانومی کلاس سے مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ پھر مجھے تیز تیز قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے دیکھا کہ دو نوجوان جنہوں نے انتہائی قیمتی تھری پیس سوٹ پہن رکھے تھے اور شکل وصورت سے پیشہ ور غنڈے لگ رہے تھے دونوں کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں تھیں۔

”ہمیں مسافروں سے کوئی دشمنی نہیں مگر ہوشیاری کی صورت میں اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔“ پہلا غنڈہ سرد لہجے میں بولا۔

اتنا کہتے ہی وہ کاک پٹ میں گھس گئے۔ ان کے کاک پٹ میں جاتے ایک اور نوجوان جس کے ہاتھ میں بم تھا سیدھا اکانومی سے فسٹ کلاس میں آ گیا اور مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا۔

مسافروں کی حالت نہایت خراب تھی۔ عورتوں اور بچوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔دفعتاً پائلٹ کی آواز سنائی دی جو کہ خوف سے بھری تھی۔

”حاضرین! یہ جہاز اغوا ہو چکا ہے۔آپ اپنے حوصلوں کو قائم رکھیں۔ہم ان سے بات کر رہے ہیں۔“

اتنا سننا تھا کہ مسافروں کی چیخیں نکل گئیں۔ بمبار غنڈہ مستعد کھڑا تھا جیسے ذرا بھی حرکت کی صورت میں وہ بم مار کر جہاز کو تباہ کر دیتا۔

مجھے ان کی پرواہ نہ تھی۔ میں تو جانتا تھا کہ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن مسافروں کے چہروں پر خوف و دہشت تھی۔ یہ چیز بھی ان کے لئے روح فرسا تھی کہ جہاز اغوا ہو کر کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہے۔

میں نے اطمینان سے جیب سے چیونگم نکالا اور منہ میں رکھ لیا۔دوسرے مسافر بھی میرا سکون اور اطمینان دیکھ کر حیران تھے۔اچانک میری نظر کھڑکی کی طرف گئی۔دور روشنیوں سے ایک سیاہ ہیولہ تیزی سے گردش کرتا ہوا میری کھڑکی کی طرف آ رہا ہے۔جیسے وہ کھڑکی کے نزدیک آیا۔اس ہیولے کے اندر مجھے کاتنا کی صورت دکھائی دی۔وہ بالکل شیشے کے قریب آ کر مجھے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں میرے لئے حقارت اور نفرت تھی وہ غرائی۔

”یہ سارے لوگ میرے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں بد روحیں ہیں جو جہاز کو تباہ کر دیں گی۔ یہ ہائی جیکر کے روپ میں وہ گناہ گار بد روحیں ہیں جو کہ کسی بھی صورت رحم نہیں کرتیں۔میرا انتقام تم سے پورا ہو جائے گا۔“

اس کے انکشاف سے میں چونک گیا۔ یہ جاننے کے بعد کہ یہ لوگ انسان نہیں ہیں میں

چوکنا ہو گیا مجھے ان سے انہی قوتوں سے نمٹنا تھا۔

کانتا جا چکی تھی۔

میں نے بیٹھے بیٹھے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل ہی دل میں ان قوتوں کو آواز دینے لگا۔ جو سالومن کی ودیعت کی ہوئی تھیں۔ اچانک مجھے ایسا لگا کہ میرے اندر بجلی دوڑنے لگی ہو۔

میں نے ہاتھ کا ہلکا سا اشارہ اس بم بردار کی جانب کیا۔ دوسرے لمحے میرے لئے حیران کن تھا۔ وہ زمین پر گر کر یوں تڑپنے لگا جیسے مرگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ دوسرے لمحے اس کے منہ سے سفید رنگ کا ایک سانپ نکل کر رینگنے لگا۔ دوہائی جیکر تو اسی لمحے بے ہوش ہو گئے مگر اس کے جسم میں رہنے والی بدروح سانپ کے روپ میں نکل کر مجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہی تھی۔

اچانک میں نے دیکھا کہ اکانومی سے ایک نوجوان اسلحہ لئے فرسٹ کلاس میں داخل ہو رہا ہے۔ اس نے میری جانب حقارت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر کاک پٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ کاک پٹ سے وہ دونوں باہر نکلے اور میری طرف بڑھنے لگے۔ جہاز کے بہت سے مسافر بے ہوش ہو چکے تھے۔ بہت سے چیخیں مار کر رونے لگے تھے۔ وہ تینوں مشینی انداز میں چلتے میری جانب آ رہے تھے۔

جیسے ہی وہ میری جانب آئے اسی لمحے سانپ نے زقند بھری اور سیدھا مجھ پر آ رہا۔ جیسے ہی سانپ نے مجھے ڈسا، اسی لمحے وہ گر کر تڑپنے لگا۔

میں نے جیسے ہی ہاتھ کا اشارہ کیا ان تینوں کے جسموں میں آگ لگ گئی اور وہ تڑپنے لگے۔ جہاز کے سارے مسافر اب مجھے نہایت ہی عجیب نظروں سے گھور رہے تھے۔ جہاز کی

ایمرجنسی لینڈنگ ہوتے ہی میں نے اپنی پراسرار قوتوں سے کام لیا اور فرار ہو گیا ورنہ لوگ مجھے گھیر لیتے۔

اسی شام میں دوسرے طیارے میں سوار ہو کر پاکستان کے شہر کراچی لینڈ کر گیا۔ کراچی ہزاروں لوگوں کی امیدوں کا مرکز، روشنیوں کا مرکز تھا، کراچی شہر کے اندر میں نے پہلی رات ایک بہت بڑے ہوٹل میں گزاری۔ کچھ دن کراچی شہر میں رہنے کے بعد میرا ارادہ گاؤں کی طرف روانہ ہو جانے کا تھا۔ مگر شاید دوسرے ہنگامے میرے منتظر تھے۔

جب میں بھوکا پیاسا اس شہر میں بھٹک رہا تھا تو اس شہر میں گھومنے کی، دیکھنے کی میری بڑی خواہش تھی۔ اس روز میں نے اپنی قوتوں سے کام لے کر بہت سے پیسے پیدا کیے اور اپنے لئے کپڑے خریدے۔ کپڑے خرید کر بازار سے نکلا ہی تھا کہ میری نظر ایک لڑکی پر پڑی جو کہ دوسری اور بہت سی لڑکیوں کے ساتھ سفید شلوار قمیض میں بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کی صورت نہ جانے کیوں مجھے جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ یاد نہیں آ رہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے۔

لڑکی واقعی بے خوب صورت تھی لیکن نہ جانے کیوں اس لڑکی کو حاصل کرنے کا ارمان میرے دل مچلنے لگا تھا۔ میں نے اس لڑکی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ ہی دیر میں لڑکی نے ایک رکشہ رکوایا اور اس میں بیٹھ گئی۔ میں نے بھی ایک رکشہ رکوایا اور اس میں بیٹھ گیا۔

''کہاں جانا ہے؟''

''اس رکشے کے پیچھے چلو'' میں نے رکشے والے سے کہا۔ رکشہ والے نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔

''صاحب! ایک سے ایک موتی اس فقیر کی جھولی میں ہے، کاہے کو اس کے پیچھے جاتا ہے

کہوتو لے چلوں وہ اس سے بھی زیادہ مست ہے۔'' رکشے والے کا لہجہ بہت عامیانہ تھا۔اس کی بات سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں نے تحمل سے جواب دیا۔

''میری جاننے والی ہے۔بہت دنوں بعد دیکھا ہے۔''

''ہاں سب کہتے ہیں۔''

''تم کو چلنا ہے تو چلو ورنہ میں اتر جاتا ہوں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہاں اتر جاؤ۔سارے بے غیرت میری ہی گاڑی میں چڑھتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بہت خراب اور عامیانہ تھا۔لڑکی کا رکشہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔اس رکشے والے پر مجھے بہت غصہ آرہا تھا لیکن میں چپ کر کے اتر گیا۔

اترتے وقت میں نے صرف اتنا کہا کہ ''رکشہ دھیان سے چلانا ٹریفک کے بہت حادثات ہوتے رہتے ہیں۔'' رکشہ ڈرائیور نے میری ان سنی کر دی اور رکشہ بڑھا دیا۔آگے جا کر اس نے دوسرے مسافر اٹھائے اور گاڑی چلا دی۔

میں نے واپس کھڑے آنکھیں بند کر لیں۔اپنی قوتوں کو آواز دینے لگا میں اس ڈرائیور کی موت کا خواہاں تھا، دفعتاً میرا جسم گرم ہونے لگا۔مجھے اپنے اندر بجلیاں سی دوڑتی محسوس ہوئیں۔

دفعتاً ایک تیز قسم کے دھماکے کی آواز سے میں نے آنکھیں کھول دیں۔میں نے اپنے سے تھوڑی دور کے فاصلے پر بہت سی بھیڑ دیکھی۔میں نے صرف اتنا دیکھا کہ ایک بس کھڑی ہے جس کے ونڈ اسکرین کے شیشے ٹوٹے پڑے ہیں۔فضا میں ایمبولینس کے سائرن کی آوازیں گونج رہی ہیں۔اس سے زیادہ کا منظر میں نے نہیں دیکھا۔میں دوسرے رکشے کی مدد سے اپنے ہوٹل آ گیا۔

دوسرے دن اخبار میں، میں نے پڑھا کہ ایک بس نے رکشہ کو کچل دیا۔ جس میں چار سے زیادہ لوگ مارے گئے تھے۔

ایک ہفتے کے دوران میں نے بہت سے ہنگامے مچائے۔ ہوٹل میں کوئی رات کسی عورت کے بغیر نہ گزرتی تھی، ایک پیش امام کا بیٹا سخت مجرم اور گناہ گار بن چکا تھا۔

ڈیڑھ ہفتے کے بعد میں نے پھر اسی لڑکی کو دیکھا جو کہ ایک کار سے اتر کر شاپنگ مال میں داخل ہو رہی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ شاپنگ مال میں داخل ہونے والوں کو دیکھ کر میرے سارے زخم پھر سے ہرے ہو گئے اور مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔

یہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ بانو کی بہن شازیہ تھی، جو کراچی میں پڑھتی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی اور نہیں بانو اور عمیر تھے۔

میرا دل انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ وقت آ گیا تھا بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا۔

میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا شاپنگ مال میں داخل ہو گیا۔ شاپنگ مال اتنا بڑا وسیع تھا کہ وہ لوگ مجھے کہیں نظر ہی نہ آئے لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور اپنی قوتوں سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ جلد ہی وہ مجھے نظر آ گئے۔

وہ لوگ ایک جیولری شاپ میں موجود تھے۔ جیولر شاپ کے سامنے ایک کیفے ٹیریا تھا۔ میں فوراً اس کیفے میں گھس گیا۔ چائے کا آرڈر دینے کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور اپنی قوتوں کو آواز دینے لگا۔ جلد ہی وہ تینوں مجھے نظر آنے لگے۔ ان کی باتیں تک سمجھ میں آنے لگیں۔

''باجی! آپ خوش نصیب ہیں جسے چاہا اسے حاصل کیا'' شازیہ عمیر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہاں۔ نیت سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔'' اس نے عمیر کے ہاتھ پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جواباً عمیر بھی مسکرا دیا۔

''باجی! گاؤں واپسی کب ہوگی؟'' شازیہ بولی۔

''جب ان کا کام ختم ہوجائے گا۔'' اس نے عمیر کی جانب بڑے ہی پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ جان کر اس کی شادی مجھ سے نہیں ہوسکتی وہ میرے بھائی کی ہوچکی ہے غم وغصہ، صدمے سے میری حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی لیکن بانو کو حاصل کرنا میری زندگی کا مقصد تھا سو میں اسے پورا کر کے رہوں گا۔

وہ رات مجھے اچھی طرح یاد ہے جس رات کے بعد میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس رات بہت تیز بارش تھی۔ گرج چمک اور طوفانی ہواؤں نے ایک قیامت بپا کی ہوئی تھی۔ میں مسلسل سائے کی طرح تین دن سے ان دونوں کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں مجھے ایک ساتھ اکیلے نہیں ملے، آخر کار قسمت نے مجھے یہ موقع فراہم کردیا۔

بانو کی بہن بارش کے سبب اپنی کسی سہیلی کے یہاں رک گئی تھی اور وہ دونوں بنگلے میں اکیلے تھے۔ چنانچہ میں موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے بنگلے کے مین گیٹ کے اندر داخل ہوگیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ نہ مجھے کتے نظر آئے، نہ ہی کوئی چوکیدار۔ میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے ان کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔

خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے دھیمی دھیمی ہنسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''تم بہت خراب ہو۔ تنہائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔'' بانو کی سرگوشی کی آواز سنائی دی۔

''ہاں تم جیسی خوب صورت بیوی ساتھ ہو، پھر کون رکتا ہے۔'' عمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

پھر ایک ساتھ دونوں کی ہنسی سنائی دی۔ ان دونوں کو ہنستے بولتے خوش دیکھ کر میری

آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میرے ارمانوں کا خون کر کے یہ دونوں اس طرح خوش نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ میں اپنی قوتوں کی مدد سے دروازے سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر کا منظر نہایت ہی رنگین تھا۔ زیرو پاور بلب کی روشنی بھی ان کی نیم برہنگی چھپانے میں ناکام تھی۔ مجھے یوں کمرے کے اندر نمودار ہوتے دیکھ کر بانو کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس نے فوراً ہی چادر میں خود کو چھپا لیا۔ مجھے یوں نازل ہوتے دیکھ کر عمیر ڈر سا گیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"کک۔۔کون ہو تم؟"

"تمہاری بیوی تو بہت خوب صورت ہے۔" میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"بے غیرت انسان، تُو ہے کون، اندر گھسا کیسے؟" اس کا لہجہ سخت تھا۔ شاید عمیر مجھے پہچاننے میں ناکام تھا۔ جواب میں، میں ہنس پڑا اور میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ پورے کمرے میں مکمل روشنی پھیل گئی۔ میری صورت سامنے آتے ہی ان دونوں کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"زبیر۔" عمیر زیر لب بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں سے خوف سا ظاہر ہونے لگا تھا۔ لیکن بانو کی کیفیت اس سے مختلف تھی۔ بانو کسی بھوکی شیرنی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

"کمینے...... کتے...... لفنڈر...... بے غیرت...... میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔" وہ چلاتی ہوئی بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

"مم...... میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔" عمیر بڑبڑایا۔ اپنے موبائل کی جانب بڑھا۔ اس سے قبل کہ وہ موبائل اٹھا پاتا۔ میرے ہاتھ کے اشارے سے وہ فضا میں بلند ہو گیا اور وہیں معلق ہو گیا۔ یہ سب منظر دیکھ کر بانو کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"تم میرے ساتھ چلو گی...... بانو بیگم۔" میں نے کہا۔

"نن...... نہیں۔ خدا کا خوف کرو میں تمہاری بھابھی ہوں۔"

"میرا تم سے صرف ایک ہی رشتہ ہے انتقام کا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اتنا سننا تھا کہ بانو رونے لگی۔ معافیاں مانگنے لگی۔ میں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

"میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں عمیر بابو، میرے جاتے ہی تم آزاد ہو جاؤ گے لیکن زندگی تمہیں بوجھ لگنے لگے گی۔" اتنا کہہ کر میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو بانو کے اردگرد سفید رنگ کا دبیز دھواں پھیلتا چلا گیا۔

بانو کو لے جانے کے بعد میں نے اسے ایک ہوٹل کے کمرے میں رکھا۔ ہوٹل والوں کو اپنی بیوی بتا کر کہ یہ بیمار ہے علاج کے لیئے آیا ہوں۔ ہوٹل والوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہیں تو نوٹوں سے مطلب تھا۔ چنانچہ رات ہوتے ہی میں نے خوب ساری پی کر اپنے ڈبل روم میں داخل ہو گیا۔ بانو مسلسل بے ہوش تھی۔ میرے خوابوں کی دیوی میرے سامنے موجود تھی۔ بے ہوشی میں اس کے چہرے کی معصومیت اور زیادہ نکھر گئی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہو کر اسے اپنی قوتوں کی مدد سے اسے ہوش میں لے آیا۔ ہوش میں آتے ہی وہ خوف زدہ انداز میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی معصوم نگاہوں میں خوف کے ساتھ خاموش التجا بھی تھی۔ میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا وہ سہم کے پیچھے ہٹ گئی۔

"آج مجھے اپنا پیار مل گیا۔ جسے میں نے چاہا آج میں اسے حاصل کر لوں گا۔" میں کامیابی کے نشے سے بولا۔

"نہیں...... نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی عزت کی خاطر جان دے دوں گی۔" اس کے لہجے میں ٹھوس اور آہنی چٹانوں جیسی سختی موجود تھی۔

"مجھے تمہاری زندگی کی کوئی پرواہ نہیں۔ میرا بدلہ پورا ہو جائے تو جہاں چاہے چلی جانا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”کچھ تو شرم کرو۔ میں تمہاری بھابھی ہوں۔“ وہ آنکھوں میں آنسو لا کر بولی۔اس کے آنسو دیکھ کر میں ہنس پڑا۔میرے دل کو بہت سکون مل رہا تھا۔

”جان من، میں تو اس الزام کو سچ ثابت کرنا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر لگایا تھا۔وہ الزام سچ ثابت ہو جائے تو تم چلی جانا۔“

میں اسے اپنا بنانے کی نیت سے آگے بڑھا تو وہ یکدم بپھر گئی۔

”رک جا مردود، قہر الٰہی سے ڈر، تیرا حشر خراب ہوگا۔“ اس کی نظروں میں خوف اور بے بسی دونوں موجود تھیں۔ میں نے اسے گھیرنے کی کوشش کی۔ کچھ دیر تک وہ خود کو بچاتی رہی پھر بے بس ہو کر بیڈ پر گر پڑی۔

میں طاقت کے نشے میں سرشار اس کی جانب بڑھنے لگا۔میرے تیور بھانپ کر وہ اور خوف زدہ ہو گئی۔اس کی غزالی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ چھت کی جانب دیکھنے لگی۔ بانو کے آنسو دیکھ کر مجھے بڑا سکون مل رہا تھا۔

وہ کسی بے بس پرندے کی طرح بیڈ پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ مجھے بیڈ پر چڑھتے دیکھ کر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ وہ لڑکھڑا کر گری اور اس کا سر بیڈ کے سرہانے سے ٹکرایا اور وہ بے سدھ ہو گئی۔

میرا نشہ تیز ہو رہا تھا۔اس کو بے ہوش دیکھ کر میرا دل جیسے باغ باغ ہو گیا۔میرے سینے میں ہوس کے طوفان اٹھنے لگے۔میں نے اس کے جسم کو پامال کرنے کے لئے پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی۔

”رک جاؤ زبیر، ایک مظلوم کی بے بسی پر طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔شرم کرو۔ یہ تمہارے بھائی کی بیوی ہے۔“

میں نے اس آواز کو واضح طور پر سنا تھا مگر میرے اور بانو کے سوا وہاں کوئی تھا ہی نہیں پھر یہ آواز کس کی تھی۔ ایک لمحے کو دوبارہ سوچا پھر بانو کے جسم کو بے نقاب کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میرا ہاتھ سن ہو گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میرا ہاتھ فالج زدہ ہو گیا ہو۔ میں نے اپنی قوتوں کو آواز دینی شروع کی مگر ہاتھ ٹھیک نہ ہوا۔ میں جھلا کر بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ بیڈ سے اترتے ہی ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ ہاتھ ٹھیک ہوتے دیکھ کر میں پھر بیڈ پر چڑھ گیا۔ بانو کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ہاتھ پھر سن ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔

''زبیر! تم جتنی چاہے کوشش کر لو مگر اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔ یہ لڑکی پاک اور معصوم ہے۔ اس نے ایسی طاقت کو آواز دی ہے جو بہت پاک اور عظیم ہے۔''

میں بیڈ سے نیچے اتر آیا اور حلق کے بل چلا کر بولا۔

''مرد ہو تو سامنے آؤ۔ پھر میں تم کو بتاتا ہوں میں کون ہوں۔''

''افسوس...... صد افسوس۔ تم اپنے اللہ کو بھول گئے۔ سدھر جاؤ اب بھی وقت ہے۔ توبہ کے دروازے تم پر بند نہیں ہوئے۔''

''میں اس لڑکی کو چھوڑوں گا نہیں، جب تک میں اسے برباد نہیں کر دیتا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

یہ کہہ کر میں بھاگتا ہوا بیڈ پر چڑھ گیا۔ بانو کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا کہ مجھے زور کا جھٹکا لگا اور میں بیڈ سے فرش پر جا گرا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تھی کہ مجھے دوبارہ جھٹکا لگا۔ میں پھر فرش پر جا گرا۔ پھر جیسے کسی نے میری جوتوں سے پٹائی کر دی ہو۔ سر پر پڑنے والی جوتوں کی ضربیں بہت شدید تھیں۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

ہوش آیا تو میں نے خود کو کوڑے کے ڈھیر پر پایا۔ میرے جسم سے عجیب طرح کا تعفن اٹھ رہا تھا۔ جیسے میں سالہا سال کوڑے کے ڈھیر پر پڑا رہنے کا عادی ہوں۔ میرے جسم پر قیمتی کپڑوں کی جگہ پھٹا پرانا جانگیہ جو کہ ستر پوشی میں بھی پوری طرح سے ناکام تھا۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک دل دوز حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میرے پورے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے۔ جن سے پیپ اور خون رس رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا؟ وہ کون تھا جس نے مجھے اس حال میں پہنچایا ہے؟ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنی قوتوں کو آواز دینا شروع کر دی تو دوسری تلخ اور خطرناک حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میری قوتوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ میرا اتنا برا حال تو کانتا نے بھی نہیں کیا تھا جتنا برا ان طاقتوں نے کیا تھا۔ وہ یقیناً کوئی عظیم قوتیں تھیں؟ جو مجھے گناہ سے روکنا چاہتی تھیں۔ میرے تمام سابقہ گناہوں کی پاداش نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا تھا؟

میری آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے کہ مجھ سے کیا ہو گیا۔ مجھ سے اپنی گزشتہ زندگی کے سارے پتے سیاہ نظر آنے لگے۔ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ ظلم کیا، بھابھی کے ساتھ ظلم کرنا چاہا۔ میرے گناہ قابل معافی تھے۔ بہر حال میں کراہتا ہوا اٹھا اور آگے بڑھا تو آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظروں میں اپنے لئے حقارت پائی۔

تھوڑا سا آگے جاتے ہی چھوٹے چھوٹے بچے پتھر لے کر میرے پیچھے لگ گئے۔ پتھروں کے وہ وار مجھے یاد ہیں، آج تک میں بھولا نہیں کہ کس بری طرح سے میری پٹائی ہوئی تھی۔ بچوں سے جان چھڑانا دشوار ہو چکا تھا۔ میں زخمی ہو چکا تھا۔ میرے سر اور داڑھی کے بال بڑے بڑے ہو چکے تھے۔ جسم پر آبلے تھے جن پر ہر وقت مکھیاں بھنبھناتی رہتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا مجھے اٹھا کر خیراتی ہسپتال میں ڈال دیا گیا۔

جب میں خیراتی ہسپتال والے مجھ سے بیزار ہو گئے تو انہوں نے مجھے اٹھا کر شہر سے دور ایک ویران جنگل میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا۔

میں سارا سارا وقت اپنے گناہوں پر پچھتاتا رہتا تھا۔ جنگل میں سارا سارا دن بھٹکتا رہتا۔ جو مل جاتا وہ کھا لیتا۔ رات ہوتی تو کسی پیڑ کے نیچے پڑ جاتا۔ کافی وقت گزر گیا تھا۔ اب تو مجھے پہچاننا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ آبلوں سے نکلنے والی بدبو میرے لئے عذاب بن گئی تھی۔ ہسپتال والوں کے پہنائے گئے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ جسم پر میل کچیل کی تہیں پڑ چکی تھیں۔ داڑھی بڑھ چکی تھی۔

ایک روز میری زندگی میں تبدیلی آئی۔ قدرت کو مجھ پر رحم آیا۔ دوپہر کا وقت تھا، دھوپ تیز تھی۔ میں ایک پیڑ کے نیچے پڑا تھا۔ میرے ذہن کی سوچوں کا محور صرف میرے گناہ اور سابقہ زیادتیاں تھیں۔ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے نیچے کوئی چیز رینگ رہی ہو۔ میں گھبرا کر اس جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے دیکھا وہاں ایک نیلے اور سرخ رنگ کا سانپ رینگ رہا تھا۔ سانپ خوب صورت تھا۔ اس کے سر پر سرخ رنگ کا چھوٹا سا تاج تھا۔ سانپ بہت چھوٹا سا تھا مجھے دیکھ کر وہ سانپ پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

میں نے دیکھا اس کے اردگرد سبز رنگ کی روشنی ہے۔ وہ مجھے بہت دلچسپی سے گھور رہا ہے۔ میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میرے قدم من من کے ہو گئے۔ مجھ سے ہلا ہی نہیں جاتا تھا۔

دفعتاً سانپ نے اچھل کر میرے ماتھے پر ڈس لیا۔ میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ گویا میری کہانی ختم۔ مجھے ڈستے ہی سانپ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میرے جسم میں اٹھنے والی سوزش بہت زیادہ تکلیف دہ تھی۔ تکلیف کے ساتھ ساتھ گرمی کا احساس بھی بڑھنے لگا تھا۔ میں

نے بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتے بھاگتے مجھے پانی کی ایک جھیل نظر آئی۔ میں نے فوراً اس جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ پانی میں گرتے ہی میرے پورے جسم میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ جیسے جیسے میں نہاتا جاتا۔ ویسے ویسے سوزش اور گرمی ختم ہو جاتی حتیٰ کہ میں پوری طرح سے پرسکون ہو گیا۔

میں نہا کر باہر نکلا تو جسم بے حد ہلکا اور چاق و چوبند محسوس ہو رہا تھا۔ جسم سے سارے آبلے اور بدبو ختم ہو چکی تھی۔ میں پوری طرح سے صحت مند ہو چکا تھا۔ شاید مجھے معاف کر دیا گیا تھا۔ تھوڑی دور پتھر کے نیچے مجھے کپڑوں کا ایک جوڑا نظر آیا جسے اٹھا کر فوراً پہن لیا۔ شاید وہ جوڑا میرے لئے تھا جو کہ مجھ پر پورا آ گیا۔

اب میں کراچی جا کر اپنے بھائی اور بھابھی کو ڈھونڈ کر ان سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ سال بھر اس حالت میں رہنے کے بعد میرے اندر کی ساری نفرت اور برائی ختم ہو چکی تھی۔ دل سکون کی دولت سے خالی ہو چکا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے بغیر ٹکٹ ریل میں بیٹھ گیا۔ جس اسٹیشن سے بیٹھا تھا وہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ سارے راستے یہ فکر کھاتی رہی اگر ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ مانگا تو کیا جواب دوں گا؟ میرے ساتھ اور بھی مسافر تھے جو سفر کر رہے تھے۔ دوسرے اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر چڑھا۔ وہ ایک ایک مسافر کا ٹکٹ چیک کرتا رہا۔ میرے پاس سے یوں گزر گیا جیسے اس نے مجھے دیکھا ہی نہ ہو۔ کھانے کے وقت پر مسافروں نے اپنے اپنے ڈبے نکال کر کھانا شروع کر دیا لیکن ڈبے کے بہت سے مسافروں میں کسی ایک نے مجھ سے اخلاقاً بھی نہ پوچھا۔ یوں لاتعلقی سے کھاتے رہے جیسے میں ان کے درمیان موجود ہوں ہی نہیں۔ بھوک کی شدت سے میرا برا حال تھا۔ زبان ترس گئی تھی ایک عرصے سے کھانے پینے کو ورنہ میں تو جنگلی پھلوں پر گزارہ کرتا تھا۔ سالن کی سوندھی مہک سے میرا دماغ خراب ہوتا جا رہا تھا۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ ان سے چھین لوں مگر میرا دل کسی گناہ پر آمادہ نہ تھا۔

خدا خدا کر کے سفر ختم ہوا۔ جیسے ہی میں اسٹیشن سے باہر نکلا، کشادہ سڑک پر آیا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ خوف و دہشت سے میرے قدم زمین میں ہی گڑ گئے۔ میں نے حسرت بھری نظروں سے مسجد کی جانب دیکھا۔ میرا دل خوف سے کانپ اٹھا، کب اذان ختم ہوئی مجھے اس کا احساس نہ ہوا۔ مسجد کب نمازیوں سے خالی ہوئی، مجھے پتہ ہی نہ چلا۔ بس میں اپنی جگہ کھڑا آنسو بہاتا رہا۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑا تو میں یکلخت ہوش میں آ گیا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص میرے سامنے کھڑا مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بظاہر وہ کوئی آسودہ حال نہیں معلوم ہو رہا تھا لیکن اس کی نگاہوں میں میرے لئے ہمدردی کا جذبہ ضرور موجود تھا۔

"بھائی! تم بہت دکھی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں۔" نووارد کی زبان سے اپنے لئے ہمدردی کے لفظ سن کر میرا دل بھر آیا اور میں پھوٹ کر رو پڑا۔

مجھے روتا دیکھ کر وہ شخص مجھے ساتھ لے گیا۔ اس کا نام باقر تھا۔ وہ شخص مسجد کا موذن و خطیب تھا اور مسجد کے اندر ہی اس کی رہائش تھی جہاں وہ بالکل اکیلا رہتا تھا۔ اس نے میرے سامنے کھانا لا کر رکھا تو میں دیوانوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔ اتنے دنوں بعد روٹی سالن کھانے کو ملا تھا۔ وہ میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لیتا رہا جب میں سیر ہو کر کھا چکا تو وہ بولا۔

"اگر مناسب سمجھو تو اپنے دل کا بوجھ میرے سامنے ہلکا کر سکتے ہو۔"

میں نے اس طرح اصرار کرنے پر اپنے حالات زندگی سے آگاہی دی۔ وہ محو حیرت میری داستان سنتا رہا جب میں خاموش ہوا تو وہ بولا۔

"تم نے اچھا کیا جو مجھے بتا دیا۔ تم نے ایک عرصے تک اللہ کی عبادت سے انکار کیا لیکن

اب تم راہِ راست پر آ گئے ہو۔ اگر تم اس کی بارگاہ میں سر جھکاؤ تو تمہاری خوشیاں تم کو ضرور مل جائیں گی۔ ندامت بڑے بڑے گناہوں کو دھو دیتی ہے۔"

دوسری صبح میں نے باقر کے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر نماز فجر کی ادائیگی کی۔ میرا دل جانتا ہے دوران نماز مستقل میری آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ میں قادر مطلق کے سامنے شرم سے گڑ جاتا تھا۔ ندامت کے احساس نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں سر سجدے میں رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میرے دل کی یہی آرزو تھی کہ بس مجھے میرا بھائی مل جائے، بھابھی مل جائے ان کے قدموں میں سر رکھ کر معافی مانگ سکوں۔

باقر نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھے تو مجھے تسلی دیتا ہوا بولا۔ "ایک دن ضرور تم کو تمہاری منزل مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان آنسوؤں کی لاج ضرور رکھے گا۔"

مجھے باقر علی کے ساتھ رہتے ایک ماہ بیت چکا تھا۔ میں صبح سے لے کر رات تک پلیٹ فارم پر قلی گیری کرتا۔ شام کو باقر علی سے قرآن پاک کی تلاوت سنتا۔

ایک روز شام کے وقت میں نے مسجد سے ملحق ایک حجرے میں بہت سی عورتوں، بچوں، بوڑھوں کی آمد دیکھی۔ سب کی آنکھوں میں کوئی نہ کوئی پریشانی نظر آتی۔

"یہ کون لوگ ہیں باقر علی، یہ حجرہ تو ہمیشہ بند رہتا ہے۔"

"ہر ماہ کی اٹھائیس تاریخ کو ہمارے پیر شاہ صاحب آتے ہیں جو کہ ضرورت مندوں کو تعویذ، دم، اور دوا وغیرہ دیتے ہیں، وہ حکیم بھی ہیں۔" باقر علی مسکرا کر بولا۔

"اچھا تو پھر ان سے ملنا ضروری ہے۔" میں نے بھی مسکرا کر کہا۔ دفعتاً میں نے حجرے کے سامنے ایک بڑی گاڑی کو رکتے ہوئے دیکھا۔ گاڑی کے اندر سے نکلنے والی کو دیکھ کر میں چونک کر رہ گیا۔

نو وارد کے چہرے پر غم کی کیفیت موجود تھی۔ چہرے سے وہ بہت پریشان معلوم ہوتی تھی۔ وہ کوئی اور نہیں بانو تھی...... وہی بانو جس کا میں مجرم تھا، وہی بانو جس سے میں نے محبت کی تھی۔

"یہ عورت کون ہے اور یہاں کیوں آتی ہے؟" میرا لہجہ پرتشویش تھا۔ میری بات سن کر باقر غمگین ہو گیا پھر اداس سے لہجے میں بولا۔

"یہ بے چاری بہت پریشان ہے۔ اس کا شوہر بیمار ہے۔ تین ماہ سے آ رہی ہے برابر لیکن پیر شاہ صاحب اس سے ملنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں وقت کا انتظار کرو۔ گزشتہ چار ماہ سے آ رہی ہے۔"

بانو گاڑی سے نکل کر حجرے کی طرف جا رہی تھی کہ میں نے حجرے سے نکل کر کسی کو باہر آتے دیکھا۔ وہ ایک سفید ریش بزرگ تھے جن کے سر پر سفید عمامہ تھا۔ بزرگ کو باہر آتا دیکھ کر باہر کھڑے لوگوں کے سر عقیدت سے جھک گئے۔ بزرگ کی عمر ساٹھ، پینسٹھ سال کے درمیان تھی۔ ان کے چہرے پر وقار اور آنکھوں میں جلال کی کیفیت تھی۔

بانو بزرگ کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔ جبکہ باقر علی انہیں آتا دیکھ کر مسجد کے صحن سے اٹھا اور دوڑتا ہوا بزرگ کے پاس پہنچ گیا۔

"حضرت! آپ نے زحمت کیوں فرمائی مجھے طلب کر لیا ہوتا۔" باقر علی لجاجت سے بولا۔ بزرگ نے باقر کی بات کا جواب نہ دیا اور بانو کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

"بی بی! تمہارے شوہر کی بیماری کا علاج اندر ہے۔" بزرگ نے مسجد کے صحن کی طرف اشارہ کیا جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ باقر نے میری جانب دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے میں وہاں تک پہنچا بزرگ اندر جا چکے تھے۔

بانو نے مجھے ایسے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

میری کیفیت اس مجرم کی تھی جو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا سزا کا منتظر ہو۔ اچانک میں نے دیکھا کہ بانو کی آنکھوں میں نفرت کی کیفیت ابھری۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بھرپور تھپڑ میرے چہرے پر رسید کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ جو منہ میں آتا جا رہا تھا بکتی جا رہی تھی۔ میں نے بھی اسے روکا نہیں۔ اس کی بھڑاس نکل جانے دی۔ باقر علی اور دوسرے لوگ حیرت سے میری درگت بنتے دیکھ رہے تھے۔ باقر نے بیچ میں آنا چاہا تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''باقر بھائی! یہ بانو ہے۔''

میری بات سن کر باقر رک گیا۔

بانو کے دل کی بھڑاس نکل چکی تو وہ وہیں کھڑی سسکنے لگی۔ دوسرے لمحے وہاں کھڑے لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ میرا سر اس کے قدموں میں تھا۔

''مجھے معاف کر دو بھابھی۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ میری روح پر تمہارا قرض ہے بھابھی۔''

میرے منہ سے بھابھی کے لفظ سن کر وہ چونک پڑی پھر بھراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اگر تم میرے شوہر کو ٹھیک کر سکو تو میں تم کو معاف کر دوں گی۔''

''آپ کے شوہر کو ہوا کیا ہے۔''

''اس پر کسی شیطانی وجود کا سایہ ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ بانو کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔

''میں اس کا علاج کیسے کر سکتا ہوں۔''

''یہ تم بابا سے پوچھو جنہوں نے تمہارا مشورہ دیا ہے۔'' اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ بانو تو چلی

گئی مگر میرے دل کو بے سکون کر گئی۔ عقیدت مندوں اور سائلوں کے چلے جانے کے بعد میں نے شاہ صاحب سے ملاقات کی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے پھر بولے۔

"اس غریب کا علاج تم ہی کر سکتے ہو۔ کیونکہ مرض بھی تم اور دوا بھی تم ہو۔"

شاہ صاحب کی بات سن کر میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ قدرے توقف کے بعد شاہ صاحب نے ایسی بات بولی جس کا تصور بھی میں نہیں کر سکتا تھا۔ میں جواباً شاہ صاحب کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"جاؤ میرے بیٹے یہی تمہارا امتحان ہے یہی توبہ بھی۔"

☆......☆......☆

مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں عمیر کا علاج کیسے کروں گا کیونکہ نہ تو میرے پاس قوتیں تھیں اور نہ ہی میں روحانی امراض کا ماہر تھا۔ خیر جو بھی ہوگا اللہ مالک ہے۔ یہ وہ جگہ نہ تھی جہاں سے میں نے بانو کو اغوا کیا تھا۔

بانو سیدھا مجھے عمیر کے کمرے میں لے گئی۔ عمیر کے کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ شاید سو رہا تھا۔

"سو رہا ہے کیا۔" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"ہاں۔" بانو نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"یہ سب ہوا کیسے بھابھی؟"

میری بات سن کر بانو نے طویل سانس لی اور کہا۔

"جب تم اس ذلیل حرکت میں ناکام ہونے کے بعد بے ہوش ہوئے تو میں ہوش میں آ چکی تھی۔ تم کو بے ہوش ہوتے دیکھ کر میں وہاں سے بھاگ گئی۔ اس کے بعد سے عمیر کو

میں نے اس حالت میں دیکھا۔اس کے بھی ذمہ دار تم ہو۔‘‘اس کے لہجے میں غصہ در آیا۔

’’میں شرمندہ ہوں بھابھی، اپنے ہر گناہ کا کفارہ میں اپنے خون سے ادا کروں گا۔‘‘

میرے جواب پر بانو نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر نظر جھکالی۔

بانو نے جیسے ہی کمرے کی لائٹ جلائی تو میں نے دیکھا کہ عمیر پلنگ پر پڑا ہے۔اس کے دونوں ہاتھ پیر زنجیروں سے بندھے پڑے ہیں۔اس کے چہرے پر بڑھاپے کی تمام علامتیں موجود تھیں۔یوں کہنا مناسب ہوگا کہ جسم تو جوان تھا لیکن چہرے پر بڑھاپے کی تمام علامتیں موجود تھیں۔چہرہ حد درجہ پیلے پن کا شکار تھا۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے دق کا شکار ہے۔

جیسے ہی میں اس کے نزدیک پہنچا اس نے آنکھیں کھول دیں۔اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے بلند و بانگ قہقہہ لگایا۔

’’آ گیا تُو، آج تجھے مار کر میری آتما کو شانتی مل جائے گی۔‘‘اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی زنجیریں توڑ دیں۔اب وہ بستر پر اکڑوں بیٹھا ہوا مجھے گھور رہا تھا۔دفعتاً اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

مجھے ایسا لگا کہ مجھے زوردار دھکا لگا ہو اور میں فضا میں اڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔سر پر لگنے والی چوٹ بہت شدید تھی۔مجھے گدی پر کوئی گرم شے بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔میرا سر پھٹ گیا تھا۔خون نے نکلنا شروع کر دیا تھا مگر میں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔میں کراہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔یہ منظر دیکھ کر بانو سہم کر دیوار سے چپک گئی تھی۔

’’بہت درد ہو رہا ہے۔‘‘عمیر یہ الفاظ بولتا ہوا بستر سے نیچے اتر آ گیا۔

’’میں تجھے تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔اپنی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔‘‘اس کی آواز بدستور بدلی ہوئی تھی۔اس نے میرے قریب آ کر ہاتھ کا اشارہ کیا اور میں فضا میں معلق ہو گیا۔

”کانتا! تم کو مجھ سے بدلہ لینا ہے تو میں تیار ہوں میرے بھائی کو چھوڑ دو۔“

میری بات سن کر عمیر چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت در آئی۔

”تجھے کیسے معلوم، میں کانتا ہوں۔“

”شاہ صاحب نے بتایا تھا۔ مجھ سے سودا کرلو اور میرے بھائی کو چھوڑ دو۔ بدلے میں تم میرے ساتھ جو چاہو کرو۔“

میری پیش کش سن کر عمیر کے حلق سے بلند و بانگ قہقہہ نکلا۔

”اچھا ہے بہت اچھا ہے۔ بھائی کے اندر رہ کر تجھ کو تڑپانا زیادہ آسان ہے۔ ویسے بھی مجھے معلوم ہے میں سیدھا تجھ پر وار کرتی تو، تو بچ جائے گا۔ مگر تیرے بھائی کے اندر رہ کر تجھ سے بدلہ لینا زیادہ آسان ہوگا۔ میں روز تجھ کو تڑپاؤں گی اور میرا بدلہ پورا ہوگا۔ اچھا ہے، بہت اچھا ہے۔“

اتنا کہتے ہی عمیر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور میں نیچے گر پڑا۔ میں اٹھ کر سیدھا عمیر کی جانب بھاگا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے جھریاں غائب ہو رہی ہیں اور وہی جھریاں مرے چہرے پر ظاہر ہو رہی ہیں۔ دل و دماغ کو اندھیرے میں جانے سے پہلے میں نے دیکھا کہ بانو کی آنکھوں میں ممنونیت کے تاثرات ہیں۔

☆......☆......☆

قارئین کرام! میں بانو زوجہ عمیر اس داستان کے آخری سطور تحریر کر رہی ہوں۔

میں عمیر سے بچپن سے محبت کرتی تھی۔ بالآخر ہم نے لڑ جھگڑ کر شادی کر لی۔ مجھے شروع سے اس میں کچھ نیا نظر آتا تھا جو زبیر میں نہیں تھا۔ عمیر کے ٹھیک ہونے کے بعد زبیر کو میں نے اسی حالت میں دیکھا، تین ماہ تک وہ ہمارے ساتھ ہی رہا۔ وہ کسی کو نہ پہچانتا تھا نہ بات

کرتا تھا۔اس دوران اکثر راتوں کو چیخنے اور چلانے لگتا۔اس کے چلانے میں بے حد درد اور کرب تھا جیسے وہ مدد کے لئے کسی کو پکار رہا ہو۔

میں زبیر سے شرمندہ ہوں لیکن کیا کرتی ،اس وقت زبیر کو سنبھالنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا ورنہ وہ عمیر کو مار دیتا۔

ایک رات زبیر اچانک غائب ہوگیا۔شاید وہ بدروح اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔اس نے میری خاطر اپنی زندگی کا سودا کرلیا۔اس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ اپنے خون سے ادا کرے گا۔

اب میں اور عمیر اپنے گھر میں بہت خوش ہیں۔ہمارا ایک سال کا بیٹا بھی ہے جس کا نام ہم نے زبیر رکھا ہے۔

زبیر ہمارے درمیان اب نہیں ہے مگر اس کی یادیں ہمارے ساتھ ہیں۔اس نے محبت کا قرض اپنے خون سے ادا کیا۔عمیر اور میں دن رات زبیر کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔

ختم شد